مکالمہ بین المذاہب و بین التہذیب

سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تناظر میں

پروفیسر ڈاکٹر محمد مشتاق کلوتا
صدر شعبہ اسلامیات پاکستان شپ اونر گورنمنٹ کالج

ABSTRACT

Islam is a Semitic religion, which has over one billion adherents all over the world. Islam means "submission to the will of God". Muslims accept the Qur'an, as the word of Allah revealed to His last and final prophet, Muhammad (peace be upon him). Islam states that Allah sent messengers and prophets throughout the ages with the message of Unity of Allah and accountability in the Hereafter. Islam thus makes it an article of faith to believe in all the earlier prophets, starting with Adam, and continuing with Noah, Abraham, Ishmael, Isaac, Jacob, Moses, David, John the Baptist and Jesus amongst many others (May peace be on them all).

Heads of state and religious leaders, military officers and peace activists, law experts and social workers, theologians and political scientists - everyone is calling for a "dialogue of civilizations and religions".

The Holy Quran Says: Say, "O People of the Book, come to a word that is common between us and you - that we will not worship except Allah and not asso[ciate] anything with Him and not tak[e]

instead of Allah ."(Surah Ale Imran/ Verse 64)

The Clash of Civilizations is a theory, proposed by political scientistSamuel P. Huntington, that people's cultural and religious identities will be the primary source of conflict in the post-Cold War world.

This theory was originally formulated in a 1992 lecture at the American Enterprise Institute, which was then developed in a 1993 Foreign Affairs article titled "The Clash of Civilizations"

Quran Says that: "Invite (all) to the Way of thy Lord with wisdom and beautiful preaching; and argue with them in ways that are best and most gracious: for thy Lord knoweth best, who have strayed from His Path, and who receive guidance." (Qur'an 16:125)

In conclusion, we must say that dialogue is necessary, and indeed, is the only acceptable way to bring our two religions closer. It is our common desire that all misunderstanding and preconceptions be put aside. We must cultivate mutual trust in order to achieve a better understanding. Dialogue is necessary if we are to overcome the past and the present of alienation, confrontation, enmity and hatred. Those who are responsible for this dialogue must make every effort to solve the prevailing problems of our world, to build a more human society characterised by justice and fraternal love.

While being fully aware of our common responsibility, different religions are duty bound to respect absolutely

each others religious beliefs and overcome antagonistic feelings. We must strive for solidarity if we are to resolve the problems facing the world, for the Earth is the common home of all nations wherein we are called to worship the One True Allah/God.

تہذیب:

تہذیب عربی زبان کا لفظ ہے۔(۱) تہذیب کا انگریزی میں متبادل لفظ ''کلچر'' اور تمدن کا انگریزی میں مترادف لفظ Civlization ہے۔ اس لیے تہذیب کا اصطلاحی مفہوم وہی ہوگا جو ''کلچر'' کا اصطلاحی مفہوم ہے اور تمدن کا اصطلاحی مطلب وہی ہوگا جو Civilization کا اصطلاحی مطلب ہے۔(۲)

امام راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ کسی چیز کے بھانپ لینے اور کسی کام کے کرنے میں مہارت اور حذاقت کا نام ثقف ہے۔ اس سے ثقافت کا لفظ مشتق ہے جس کے معنی باہم شمشیر زنی کے ہیں۔ رُمع مُثقف کے معنی ہیں سیدھا کیا ہوا نیزہ اور جس آلہ سے نیزے کو سیدھا کیا جاتا ہے وہ ثقافت کہلاتا ہے۔(۳)

دین/مذہب؟

اسلام نے مذہب کے لیے ''دین'' کی اصطلاح متعارف کرائی ہے۔ قرآن وسنت میں اسلام اور دین کی اصطلاح بے شمار مقامات پر استعمال ہوئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ ان الدین عند الله الاسلام (۴) ''بے شک اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہے''۔ اسی طرح قرآن مجید میں اسلام کے لیے دین الحق (۵) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

جب ہم مذاہب عالم کی بات کرتے ہیں تو سب سے پہلے غور کرنا چاہیے کہ مذہب کیا ہے؟ ای بی ٹیلر کے مطابق ''مذہب روحانی موجودات پر اعتقاد کا نام ہے'' (۶) فرید وجدی نے مذہب کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''مذہب ان معقول خیالات و تصورات کے مجموعے کا نام ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ تمام افراد انسانی رشتے میں منسلک ہو جائیں۔ مذہب نوع انسانی کے لیے ایک ابدی ضابطہ حیات ہے'' (۷)

۱- ''مذہب'' صرف عبادات تک محدود ہوکر رہ جاتا ہے۔ جب قوموں نے دین اسلام کو ترک کر کے دوسرے طریقے اختیار کر لیے تو مذاہب بن گئے جو صرف عبادات تک محدود کر دیئے گئے۔(۸)

۲- ''مذہب'' چند اخلاقی اقدار کے مجموعے کا نام ہے اس میں کسی شعبہ میں کسی مخصوص عقیدے، نقطہ نظر یا مسلک کی پیروی کی جاتی ہے، یہ انسان کی پوری زندگی پر محیط نہیں ہوتا۔ اس طور پر ''مذہب'' کو ''دین'' کا جزو کہنا مناسب ہے یعنی ''دین'' اگر ''کل'' ہے تو ''مذہب'' اس کا ایک ''جزو'' ہے۔(۹)

مکالمہ:

دو افراد یا جماعت (سیاسی، مذہبی وغیرہ) یا دو گروہوں کے درمیان آپس میں بات چیت اور گفتگو کو مکالمہ کہا جاتا ہے۔ دور جدید میں ڈرامہ نویسی، اسٹیج ڈرامے، فلموں وغیرہ کے لیے بھی مکالمہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ یہ مکالمہ تحریری بھی ہوسکتا ہے اور زبانی بھی۔

تہذیب وثقافت کے معاملے میں اسلام کی غیرت:

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام نے عقیدہ ومذہب کے بنیادی اختلاف کے باوجود انسانیت کے ناطے غیر مسلم اقوام بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی ہمدردی خیر خواہی نیکی اور عدل وانصاف کی تعلیم دی ہے۔(۱۰) اور اس سلسلے میں پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی طبعی رافت ورحمت اور رحمۃ للعالمین کی بنا پر مشرکین مکہ، یہود ونصاریٰ، منافقین مدینہ اور دیگر معاندین ومحاربین سے جس مذہبی رواداری، انسانی ہمدردی، وسعت ظرفی فیاضانہ برتاؤ، عفو ودرگزر، تحمل وبرداشت اور حسن سلوک کا عملی مظاہرہ فرمایا (جس کی تفصیل سے کتب حدیث وسیرت بھری پڑی ہیں) اس کی نظیر آسمان کی آنکھ نے آپ ﷺ سے پہلے دیکھی تھی نہ اب تک دیکھ سکی ہے۔ مگر اس کے باوجود اسلام اپنے عقائد اور تہذیب وتمدن کے معاملے میں انتہائی غیرت مند واقع ہوا ہے۔ اس نے اہل اسلام کو غیر مسلم اقوام کے ساتھ ایسی نام نہاد رواداری، ایسی دین کش روشن خیالی اور اس قدر نرمی اور اتنی لچک کی بھی اجازت نہیں دی کہ کفر واسلام کا امتیاز ختم ہوجائے، شرک توحید گڈمڈ ہوجائے، ایمان والحاد کا اساسی فرق مٹ جائے، نیا ''دین اکبری'' پیدا ہوجائے، اور اسلام دشمن اقوام کے سامنے اپنے آپ کو

روشن خیال ثابت کرنے کے شوق میں اسلامی شعائر اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلام کی پاکیزہ اقدار وروایات کی نفی ہونے لگے، مخلوط میراتھن ریس کے نام پر احکام ستر وحجاب کا مذاق اڑایا جائے، ماتھے پر ''تلک، لگوانے لگیں۔ ہولی، کی تقریب میں ہندوؤں کی طرح جسم ولباس پر رنگ ڈلوانے لگیں۔ جشن بہار کے نام پر ساری اسلامی حدود پھلانگ جائیں اور ان کی دینی حمیت وغیرت اتنی مردہ ہو جائے کہ مسجد کا سنگ بنیاد بھی ان ناپاک ہاتھوں سے رکھوانے کیلئے تیار ہو جائیں۔

چنانچہ کفار مکہ کی ایک جماعت نے جب نبی اکرم ﷺ کو معاشرے میں ''امن وامان'' کی خاطر اس قسم کے تہذیبی سمجھوتے، سودے بازی یا باہمی قرب وہم آہنگی کے نام پر یہ پیشکش کی کہ ''تعبد آلهتنا سنة ونعبد الهك سنة'' (۱۱) (ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کریں اور ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کیا کریں گے) تو اس پیشکش کے جواب میں اللہ کریم نے سورۃ الکافرون نازل کرتے ہوئے اپنے محبوب مکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ کفار کے دین باطل سے مکمل بریت وبے زاری کا اظہار کرتے ہوئے برملا اعلان فرمادیں کہ: ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ (تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے) (۱۲)

اس سورہ کے شان نزول کا پس منظر بیان کرتے ہوئے مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

> ''اس پس منظر کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ مذہبی رواداری کی تلقین کیلئے نازل نہیں ہوئی تھی جیسا کہ آج کل کے بعض لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ اس لیے نازل ہوئی تھی کہ کفار کے دین اور ان کی پوجا پاٹ اور ان کے معبودوں سے قطعی برائت بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان کردیا جائے اور انہیں بتادیا جائے کہ دین کفر اور اسلام بالکل ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ان کے باہم مل جانے کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بات اگرچہ ابتداء قریش کے کفار کو مخاطب کرکے ان کی تجاویز مصالحت کے جواب میں کہی گئی تھی۔ لیکن یہ انہی تک محدود نہیں بلکہ اسے قرآن میں درج کرکے تمام مسلمانوں کو قیامت تک کیلئے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ دین کفر جہاں جس شکل میں بھی ہے ان کو اس سے قول اور عمل میں

برأت کا اظہار کرنا چاہیے اور بلا رعایت کہہ دینا چاہیے کہ دین کے معاملہ میں کافروں سے کسی قسم کی مداہنت یا مصالحت نہیں کر سکتے۔ (۱۳)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ نومسلموں نے حضورﷺ سے جب یہ درخواست کی ہمیں اسلامی نظام حیات میں رہتے ہوئے اس بات کی اجازت دی جائے کہ ہم یہودی مذہب وعقیدہ کے مطابق ہفتہ کے روز کی تعظیم اور اونٹ کے گوشت اور دودھ سے پرہیز اور تورات کی بھی تلاوت کرتے رہیں تو اللہ کریم نے اس طرح کی رواداری اور وفاداری سے منع کرتے ہوئے فرمایا: (ترجمہ) ''اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور (سابقہ مذہبی روایات کو اپنا کر) شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ بیشک وہ تو تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے''(۱۴)

اہل کتاب سے تاریخی رشتے:

تاریخ عالم اور تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ بین التہذیبی وبین الثقافتی تقارب اور ہم آہنگی کے لیے اسلام نے دور عروج میں جو تدبیریں اختیار کی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔ داعی اعظم محمدﷺ نے تمام مذاہب کے ماننے والوں کو آپس میں بھائی اور امت واحدہ قرار دیا: ''الناس کلھم اخوۃ'' سب لوگ بھائی بھائی ہیں (۱۵) ایک حدیث میں آپﷺ نے فرمایا ''انھم امۃ وحدۃ'' (۱۶) یعنی وہ سب ایک امت ہیں'' اول الذکر حدیث میں لفظ ''الناس'' کا تذکرہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ پوری انسانیت کے رسول اور اقوام عالم کے لیے رحمت ہیں۔ لفظ ''الناس'' قرآن میں 241 مرتبہ پایا جاتا ہے۔ اس لیے اس وقت اسلامی تہذیب و ثقافت نہ صرف یہودیوں اور عیسائیوں بلکہ تمام دنیا والوں کی تہذیب وثقافت ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ ''کنتم خیر امۃ اخرجت للناس''(۱۷) یعنی تم ایک بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کی نفع رسانی کے لیے نکالی گئی ہو'' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہﷺ نے تمام انسانوں کو ایک امت قرار دیا ہے۔ کچھ عرصے پہلے مغرب کے ہم عصر ماہرین اسلام نے مسلمان اہل علم سے مکالمہ کا آغاز کیا تاکہ دونوں برادریوں کے درمیان فہام وتفہیم کے لیے پل تعمیر ہو سکیں (۱۸) تاریخ کے بعد کے ادوار میں یہ مکالمہ ثقافتی، سیاسی، معاشی

اور سماجی سطح پر جاری رہا۔ اور اس وقت بھی جاری رہا جب مسلمان اور ان کے مغربی حرفی مدمقابل تھے۔ اس کی ایک نمایاں مثال 771ء تا 1492ء سات صدیوں سے زیادہ محیط اندلس میں مسلمانوں کا دور حکومت ہے۔(۱۹)

بین التہذیبی و بین الثقافتی تقارب و ہم آہنگی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تمام انسانوں کے مابین قدرِ مشترک دریافت نہ کرلی جائے۔ انسانی معاشروں کے مابین کسی ''قدر مشترک'' کے حصول کے لیے سب سے بڑی بنیاد توحید ہے۔

تہذیبی تصادم کے نظریہ کا پس منظر:

''اسلام کا مستقبل'' یہ وہ سوال ہے، جو اس وقت مشرق و مغرب کے علمی حلقوں میں بڑے شدومد سے اٹھایا جارہا ہے۔ یہ موضوع اس وقت سے سنجیدہ و مربوط موضوع کی شکل اختیار کرگیا ہے جب سے ہارورڈ یونیورسٹی کے یہودی پروفیسر سموئل ہنٹنگٹن نے ۱۹۹۳ء میں ''تہذیبوں کے مابین تصادم'' (Clash of Civilizations) کا نظریہ پیش کرکے پیش گوئی کی کہ مستقبل میں مغرب اور اقوامِ عالم کے درمیان کشمکش نہ تو معاشی ہوگی نہ سیاسی بلکہ تہذیبی ہوگی۔ اس ضمن میں انہوں نے اسلام کو مغرب کے مقابلے میں ایک متصادم تہذیب کے طور پر پیش کیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مستقبل میں ویسٹرن سویلائزیشن کے لیے اسلام کا خطرہ دکھا کر اسلام کے خلاف محاذ آرائی کے لیے دعوتِ فکر دی گئی ہے۔(۲۰)

مغربی حلقوں میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی بھی وجہِ فکر بنی ہوئی ہے، مسلمان امریکہ میں دوسری بڑی اکثریت بن چکے ہیں اور یورپ میں ان کی آبادی ۲۵ ملین کے قریب پہنچ رہی ہے۔ یورپ (ای ای سی) کے کئی ملکوں میں اسلام کو دوسرا بڑا مذہب تسلیم کیا جاچکا ہے۔

حقیقت میں موجودہ دور فکر و نظر کا دور ہے اس وقت اقوامِ عالم کے درمیان عسکری کے بجائے فکری و نظریاتی تصادم برپا ہے۔ کمیونزم کی ناکامی کے بعد مغربی دنیا سمجھنے لگی ہے کہ اب دنیا کے لیے مغربی نظریۂ فکر اور نظامِ زندگی اپنانے کے سوا کوئی چارہ نہیں جب کہ اسلام ایک مکمل نظر فکر رکھتا ہے، جس میں آج بھی اتنی افادیت و کشش ہے کہ دنیا کے تمام نظریات و افکار پر حاوی غالب آجائے۔ اسلام کی پوری تاریخ ثابت کرتی ہے کہ اسلام کی صرف دعوت ہی اسلام کی ~

سے بڑی طاقت ہے۔ اسلام فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔ اگر وہ اپنی اصلی صورت میں کسی انسان کے سامنے لایا جائے تو وہ سیدھا آدمی کے دل میں اتر جاتا ہے، وہ آدمی کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کی صداقت کا اعتراف کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنی ذات میں ایک تسخیری طاقت رکھتا ہے۔ وہ لوگوں کو متاثر ہونے پر مجبور کرتا ہے۔ اب تک اس نظریہ کو کاٹنے والی تلوار وجود میں نہیں آسکی۔ اسلام کے نظریۂ فکر کی تلوار کبھی کند نہیں ہوئی۔ ہر دور میں قطع نظر اس کے وہ دور سیاسی وعسکری اعتبار سے مسلمانوں کے غلبے کا دور تھا یا مغلوبیت کا اسلام نے اپنی شاندار فتوحات برابر جاری رکھیں۔ زمانے کی موجودہ تبدیلی، عسکری محاذ سے فکری محاذ کی طرف عین اسلام کے مطابق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب اسلام کے نظریے کی طاقت سے خوف زدہ ہے، وہ اسلام کو اپنی فکر و دعوت پیش کرنے کا موقع دیئے بغیر پروپیگنڈے اور میڈیا کے زور پر ختم کر دینا چاہتا ہے۔

سیموئل ہنٹنگٹن کہتا ہے کہ مستقبل میں مغربی تہذیب کی برتری کو چیلنج کرنے والی سب سے بڑی ممکنہ طاقت مسلم تہذیب ہی ہے۔ (۲۱)

جب کہ سابق امریکی صدر نکسن کہتا ہے کہ ہمیں فوری طور پر اسلام سے کوئی خطرہ نہیں، کیوں کہ مسلمان اتنے منتشر اور باہم دست و گریباں ہیں کہ انہیں دشمن کا ہوش ہی نہیں۔ (۲۲) لیکن غلط ہم بھی نہیں کہتے، جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کمیونزم کا پیدا کردہ خلاء صرف مسلم تہذیب ہی پُر کر سکتی ہے۔ مغرب کی تہذیب جن خرابیوں کی وجہ سے ڈول رہی ہے، ان کا علاج صرف اسلام ہی کے پاس ہے، لہٰذا صرف اسلام ہی متبادل ہے، صرف مسلم تہذیب ہی متبادل تہذیب ہے جو مغربی تہذیب کی باطل نظریات پر مبنی کمزور دیواروں کو دھکا دے کر گرا دے گی اور خود اس کی جگہ لے لے گی۔ تو مغرب کی پریشانی بڑھ جاتی ہے، شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

دیارِ مغرب کے رہنے والو، خدا کی بستی دکاں نہیں ہے کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا (۲۳)

سیموئیل ہن ٹنگٹن نے اسلام اور مسلمانوں کو ہوا بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے لیے وہ تاریخ سے بھی مثالیں لایا ہے اور حالیہ رجحانات کو بھی بحث میں کھینچ لایا ہے۔ سروے کی تیکنیک کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہوئے ۳۵ ہزار افراد کی رائے کو اس شکل میں پیش کیا ہے کہ دو چیزیں ہیں، جو امریکیوں (مغرب) کی نظر میں آج سب سے بڑا خطرہ ہیں: ایک ایٹمی اسلحے کا پھیلاؤ

اور دوسرا دہشت گردی۔ وہ کہتا ہے کہ ان دونوں کا منبع مسلمان ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: 60 % of American people regard Islamic revival a threat to US interest in the Middle East. (ساٹھ فی صد امریکی عوام شرق اوسط میں اسلامی احیا کو امریکی مفادات کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں)۔ وہ مزید کہتا ہے کہ مسلمان آج تو کمزور ہیں، لیکن اگر انہیں قابو نہ کیا گیا تو معاشی اعتبار سے یہ اپنے وسائل کو اپنے قبضے میں لے آئیں گے اور ایک بڑی معاشی طاقت بن جائیں گے۔ پھر آبادی کے اعتبار سے ان کی عالمی پوزیشن بدل رہی ہے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ ۱۹۹۰ء میں دنیا کے عیسائیوں کی آبادی ۲۵ فی صد اور مسلمانوں کی ۲۰، ۲۱ فی صد تھی، لیکن اب بدستور عیسائیوں کی آبادی کم ہو رہی ہے اور مسلمانوں کی آبادی بڑھ رہی ہے۔ اس کے اندازے کے مطابق ۲۰۲۵ء تک مسلمانوں کی آبادی دنیا کی آبادی کا ۳۰ فی صد ہو جائے گی اور یہ عیسائیوں کی آبادی سے بھی بڑھ جائے گی۔ اس دوران اگر مسلمانوں نے اپنی فوج اور اپنی ایٹمی قوت کو ترقی دی، تو پھر وہ مغرب کی بالادستی (Superamacy) کو چیلنج کر دیں گے۔ یہ ہے مغربی تہذیب کے لیے اصل خطرہ۔ (۲۴)

اس کے تجزیے کا دوسرا پہلو بڑا اہم ہے۔ وہ کہتا ہے اور اس کا ایک ایک فقرہ غور طلب ہے:
''مغرب کے لیے اصل مسئلہ اسلامی بنیاد پرستی نہیں، بلکہ اسلام ہے، جو ایک مختلف تہذیب ہے اور جس کے ماننے والے اپنی تہذیب وثقافت کی برتری پر یقین رکھتے ہیں اور اقتدار میں اپنے کم ترحصے پر پریشان ہیں۔ (۲۵)

اسلام اور مغرب کے درمیان مبینہ تہذیبی تصادم کے بارے میں ہن ٹنگٹن کہتا ہے: ''مغرب'' اصل مسئلہ ہے، جہاں کی تہذیب مختلف ہے اور یہ لوگ اپنی تہذیب وثقافت کے عالم گیر ہونے پر نہ صرف یہ کہ یقین رکھتے ہیں، بلکہ ان کا خیال یہ ہے کہ ان کی بالاتر طاقت خواہ روبہ زوال ہی کیوں نہ ہو، ان پر یہ فرض عائد کرتی ہے کہ وہ اپنی تہذیب وثقافت کو تمام دنیا میں پھیلا دیں۔ یہ وہ بنیادی عناصر ہیں جو اسلام اور مغرب کے درمیان تنازعے کو ایندھن فراہم کرتے ہیں۔'' (۲۶)

ہن ٹنگٹن کے نظریے میں صرف ادھوری حقیقت بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بلاشبہ اسلام اور مغرب دو مختلف تہذیبوں کی نمائندگی کرتے ہیں، لیکن اس کی یہ بات انتہائی غلط اور گمراہ کن ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے اور ایک دوسرے کو نیست و نابود کرنے کے لیے

آپس میں جنگ کرنی چاہیے۔ ایک دوسرے سے مختلف ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ایک دوسرے سے ضرور جنگ کی جائے، جھگڑا اور فساد تب پیدا ہوتا ہے جب زیادہ طاقت ور فرد یا قوم، اپنی بالادست قوت کے ذریعے دوسروں پر اپنی اقدار اور حکمرانی مسلط کرنے کا حق جتاتی ہے۔ یہ صرف ''اپنی ثقافت کو تمام دنیا میں پھیلانے کے اسی مبینہ فرض'' کا شاخسانہ ہے، جس کے باعث جھگڑا اور فساد پیدا ہوتا ہے، ورنہ محض تنوع اور تکثیریت اس کا قطعاً باعث نہیں اور یہ قوت کے ذریعے ایک ملک کی دوسروں پر بالادستی اور ایک تہذیب کے دوسری تہذیبوں پر غلبے کا فلسفہ اور پالیسی ہے، جسے ہم ''تہذیبی دہشت گردی'' ہی کہہ سکتے ہیں، جو موجودہ تصادم، بحران اور جھگڑے کی بنیاد ہے، جس کے باعث افراد واقوام جنگ، دہشت گرد کارروائیوں اور قتل عام کی طرف دھکیلی جارہی ہیں۔ اگر دیگر افراد واقوام کی روایات وعقائد کا احترام ایک اصول اور ضابطے کی شکل اختیار کرلے، تو پھر اقوام کے درمیان معاہدہ برائے باہمی بقا، تعاون اور صحت مندانہ مسابقت پیدا ہوجائے گی اور انسانیت پھر دوبارہ زندہ ہوجائے گی، اگر اس نظریے پر عمل کیا جائے، یعنی دیگر افراد اور اقوام کے عقائد کا احترام۔ نہ کہ بالادستی، تو پھر یہ دنیا یقینی طور پر پُرامن اور انصاف کی بستی بن سکتی ہے۔ پھر تہذیبوں کے مابین تصادم کے خدشات تحلیل ہوسکتے ہیں اور دہشت گردی کا پُراسرار خوف زمین میں دفن ہوسکتا ہے۔ صرف اسی صورت میں امن وامان، تحفظ وسلامتی اور خوشحالی کا راستہ بخوبی ہموار کیا جاسکتا ہے۔ کیا اب بھی وہ لمحہ اور وہ وقت نہیں آیا جب دہشت گردی سے آگے کا سوچا جائے اور اس کے لیے کوشش کی جائے؟ کیا انسان اس کے متبادل حل کو نظرانداز کرنے کا متحمل ہوسکتا ہے؟ (۲۷)

مکالمہ بین التہذیب وبین المذاہب پر اسلام کا نقطۂ نظر

تضادات سے بھرپور اس دنیا میں مل جل کر رہنا کوئی آسان کام نہیں، تاہم کہا جاسکتا ہے کہ یہ ان نہایت مفید کاموں میں سے ایک ہے جو اگرچہ پیچیدگیوں سے بھرپور اور ہلاکت خیز حد تک خطرناک ہے، لیکن اس میں انسان اپنی تخلیق کے روز اول ہی سے سرگرم عمل ہے۔ ان کوششوں کا دائرہ طبعی لحاظ سے نہیں ہے، بلکہ معاشرتی اعتبار سے ہے۔ کیوں کہ طبعی لحاظ سے انسان زندہ تو رہ سکتا ہے، لیکن معاشرتی روابط کے بغیر انسانی زندگی کا تانا بانا نہیں بُنا جاسکتا۔ یہ قلب وذہن کا دائرہ ہے، جس میں میل ملاپ، افہام وتفہیم، باہمی تعاون اور اس دنیا میں مل جل کر امن وامان کو قائم کرنا اور

محبت کو عام کرنا ایک فطری امر ہے۔ مل جل کر رہنے کی مشکلات نے انسانی خواہشات اور جدوجہد کو اکثر حیرانی اور مایوسی سے بھی دوچار کیا ہے، لیکن اس کے لیے کوشش کو کبھی ترک نہیں کیا گیا۔ اگر چہ یہ حقیقت سے زیادہ ایک خواب اور کارنامے کے بجائے ایک تمنا رہی ہے۔

تخلیق کے ہر اظہار میں لازماً تنوع پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کا منبع اور جوہر وحدانیت ہے، اگر اسی تنوع سے آدمی یہ سیکھنے کے لیے آمادہ ہو کہ وہ کس راستے پر چل کر اپنے خالق کو تلاش کرے اور اس تک پہنچے تو اس جستجو میں مایوس ہونے کا کوئی خدشہ نہیں رہتا۔ ارشادِ ربانی ہے: ترجمہ:۔ اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں۔ شاید کہ تم اس سے سبق لو (کہ اللہ ایک ہے) پس دوڑو، اللہ کی طرف۔ (سورہ الروم) ایک اور مقام پر فرمایا گیا: ☆ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں دانش مند لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۲۹)

امتِ مسلمہ کو منافرت اور مذاکرات کے دونوں پس منظر کو سامنے رکھ کر اپنا مثبت رویہ پیش کرنا چاہیے اسلام اور مغربی دنیا کے درمیان ناواقفیت اور غلط فہمی کی جو خلیج حائل ہوگئی ہے، اسے پاٹنے کی معقول اور مربوط کوشش کرنی چاہیے، معتدل اور متوازن طرزِ عمل مغرب پر اثر انداز ہونے میں معاون بن سکتا ہے۔

بین المذاہب مکالمے اور غیر مسلم برادری سے صلح کے حوالے اسلام نے یہ ضابطہ عطا کیا ہے کہ: وان جنحوا للسّلم فاجنح لها وتوكّل على اللّٰه انّه هو السّميع العليمO (۳۰) یعنی اگر وہ غیر مسلم (تمہارے دشمن) صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کے لیے جھک جاؤ، اور اللہ پر بھروسا رکھو، بے شک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے: وكذٰلك جعلنٰكم امّة وّسطاً لتكونوا شهدآء على النّاس و يكون الرّسول عليكم شهيداً (۳۱) ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا ہے، تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔

قدیم و جدید مفسرین کے مطابق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان درحقیقت امت محمدیہ ﷺ کی امامت کا اعلان تھا، اسی طرح کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی اس راہ نمائی کی طرف بھی تھا، جس سے رسول اکرم ﷺ کی پیروی قبول کرنے والوں کو سیدھی راہ ''صراطِ مستقیم'' معلوم ہوئی اور وہ ترقی کرتے کرتے اس مرتبے پر

پہنچے کہ ''امتِ وسط'' قرار دیئے گئے۔ (۳۲)

مفسرین کے مطابق ''امتِ وسط کا لفظ اپنے اندر اس قدر وسیع معنویت رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ واشرف گروہ ہے، جو عدل وانصاف اور توسط واعتدال کی راہ پر قائم ہو جو دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو، جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا ہو، اور ناحق اور ناروا تعلق کسی سے نہ ہو، چنانچہ اس آیتِ مبارکہ میں جہاں امت محمدیہ ﷺ کی فضیلت وسرفرازی کا تذکرہ ہے، وہیں اس پر ذمے داری کا بہت بڑا بار بھی ہے، اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس طرح رسولِ اکرم ﷺ امت کے لیے خداترسی، راست روی، اور حق پرستی کی زندہ شہادت بنے، اسی طرح اس امت کو بھی تمام دنیا کے لیے زندہ شہادت بننا ہے، اپنا قائدانہ کردار ادا کرنا ہے، حتیٰ کہ اس کے قول وعمل، سیرت وکردار اور حسنِ سلوک کو دیکھ کر دنیا جان لے کہ خداترسی اسی کا نام ہے۔ راست روی یہ ہے، عدل اسے کہتے ہیں، حق پرستی ایسی ہوتی ہے اور اسلام دنیا بھر کے انسانوں کو کچھ بتانے اور پیغام دینے آیا ہے۔'' (۳۳)

اسلامی دنیا پر مغرب کی استعماریت اور اسلامی تہذیب وثقافت پر مغرب کی یلغار اور پھر مغرب کی تہذیبی مذاکرات کی پیش کش پر غور کرتے وقت مسلمانوں کو یہ نکتہ ضرور سامنے رکھنا چاہیے کہ ظلم وتشدد اور تباہ کاری کا ارتکاب مغربی حکومتوں نے کیا ہے، عوام نے نہیں، اس لیے ہمیں حکومت اور عوام کے فرق کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ مغرب کے بیشتر عوام کم وبیش اسی طرح لاتعلق ہیں، جس طرح مسلم دنیا کے عوام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عراق پر جب امریکا اور برطانیہ نے جارحانہ حملے کیے تو اس کے خلاف مسلم دنیا سے زیادہ مغربی دنیا میں مظاہرے ہوئے اور ردعمل کا اظہار کیا گیا۔ یہاں تک کہ میڈیا کنٹرول اور پاور اینڈ ٹیرر کے مصنف پروفیسر نوم چومسکی اور ان جیسے دوسرے مصنفوں نے دنیا کے سامنے مغربی حکمرانوں بالخصوص امریکی صدر کے دہشت گردانہ عزائم کو بے نقاب کیا اور مہذب دنیا کے لیے اسے خطرہ قرار دیا۔

مغرب میں آزادیٔ فکر، کھلا ذہن اور وسعت نظری مشرقی دنیا کے مقابلے میں زیادہ دیکھنے کو ملتی ہے، اس کا نہ صرف اعتراف ہونا چاہیے بلکہ مسلمانوں کو اپنے مذہبی اور تہذیبی پیغام کی ترسیل اور تفہیم میں اس سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے۔ یوں تو مغربی دنیا عیسائیت کو سیاسی نظام سے خارج کرچکی ہے، مگر اس کی مذہبی اور ثقافتی شناخت کا حوالہ عیسائیت ہی ہے، اور ہر سماج کی طرح وہاں بھی ایسے عناصر

پائے جاتے ہیں، جو اسلامی نقطۂ نظر کی معقولیت اور اسلامی نظام زندگی کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب سلیقہ سے ان کے سامنے اسلامی تعلیمات پیش کی جاتی ہیں، تو وہ اسے قبول بھی کر لیتے ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو حقیقت پسندی سے کام لینے کی تلقین کرتا ہے اور عیسائی دنیا کے ظالم اور غیر ظالم عناصر میں فرق وتمیز کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ قرآن پاک میں ظالم اور غیر ظالم کے فرق کے لحاظ سے مسلمانوں کو اپنا رویہ متعین کرنے کی اس طرح ہدایت کی گئی ہے۔ "**وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ**"(۳۴)

اور اہلِ کتاب سے بحث نہ کرو، مگر عمدہ طریقے سے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں۔ یعنی ظالموں سے تو انتقام اور سختی کا معاملہ کیا جا سکتا ہے، مگر عام لوگوں سے ہمدردانہ سلوک ہونا چاہیے اور ان سے مباحثے، مکالمے اور مذاکرے میں حکمت پر مبنی لب ولہجہ اور حکیمانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے، تاکہ مفاہمت کی راہیں مسدود نہ ہوں۔

حقیقت پسندی کے ساتھ عیسائی دنیا میں پائے جانے والے نیک اور خدا ترس عناصر کا اعتراف کرنا بھی قرآنی تعلیم کا حصہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی شخصیت اور دعوت کی مخالفت عہد نبویؐ کے عیسائیوں نے بھی کی تھی، مگر ان میں جو سماجی خوبیوں کے حامل اور صالح عناصر موجود تھے۔ قرآن نے ان کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے: "**لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ**ہ (۳۵) سارے اہل کتاب برابر نہیں ہیں، ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راست پر قائم ہیں، راتوں کو اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

دوسرے مذہب کی جزوی صداقتوں اور ان کے حاملین کی خوبیوں کا ایسا فراخدلانہ اعتراف مذاہب عالم کی تاریخ میں شاید ہی مل سکتا ہے۔ سامی مذاہب کے حاملین میں جو ایک رشتہ وحی الٰہی اور ناموسِ رسالت کا پایا جاتا ہے، وہ اگرچہ اختلاف وانحراف کے ہجوم میں دبا ہوا ہے، مگر فنا نہیں ہوا۔ اسے زندہ اور تابندہ کرنے کی ضرورت ہے، اسی ضرورت کا احساس اسلامی دعوت کے آغاز میں اہل کتاب کو قرآن نے دلایا تھا: "**قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئاً وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** (۳۶) کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ

کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔

قدیم و جدید سیرت نگار اور مفسرین اس امر پر متفق ہیں کہ یہ آیت اہلِ کتاب کے متعلق نازل ہوئی، تاہم اس میں مختلف اقوال ہیں کہ اہلِ کتاب کے کس طبقے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ امام فخر الرازی رحمۃ اللہ علیہ (۳۷)، امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ (۳۸)، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (۳۹)، علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (۴۰) علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (۴۱)، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (۴۲)، ڈاکٹر وہبہ الزحیلی (۴۳) مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (۴۴) سیّد مودودی رحمۃ اللہ علیہ (۴۵) وغیرہ کی رائے کے مطابق یہ آیت اہلِ کتاب کے متعلق نازل ہوئی۔ البتہ کم و بیش ہر تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال منقول ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں الہامی تعلیمات کے پیرو اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ دونوں کو خطاب ہے۔ جب کہ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ کے سبب نزول کے متعلق مفسرین کی مختلف آراء ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "**وھو ظاھر النّظم القرآنی، ولا وجہ لتخصیصہ بالبعض، لانّ ھذہ دعوۃ عامّۃ لا تخصیص باولٰئك الّذین حاجّوا برسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم**" (٤٦)

نامور عرب محقق اور مذہبی اسکالر ڈاکٹر وہبہ الزحیلی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ: "**وھٰذہ الآیۃ ھی جوھر رسائل النبیؐ وکتبہ الیٰ ملوك و امراء العالم من اھل الکتاب وغیرھم**" (٤٧) بعدازاں انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی بنام ہرقل کا ذکر کیا ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تحریر کروایا تھا۔ (۴۸)

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: اس آیت سے اسلام میں تبلیغ و دعوت کا ایک اصول معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوتِ دین دینے کا خواہش مند ہو، جو عقائد و نظریات میں اس سے مختلف ہو، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ فریق یا جماعت کو صرف اس چیز پر جمع ہونے کی دعوت دے، جن پر دونوں کا اتفاق ہوسکتا ہو، چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی تو ایسے مسئلے کی طرف دی، جس پر دونوں کا اتفاق تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت۔ (۴۹)

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی لکھتے ہیں: قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ بین المذاہب مکالمے، پُرامن بقائے باہمی، اسلامی رواداری، دعوتِ دین کے حوالے سے ایک راہ نما اصول کی طرف راہ نمائی کرتی

ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ غیر مسلم برادری اور ان کے مذاہب سے تعلقات کا قیام کس حد تک ممکن ہے؟ اس کے کیا ضوابط ہیں؟ نیز یہ کہ یہ آیت ایک ضابطے اور ایک اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔(۵۰) اس آیتِ کریمہ کے نزول کے بعد نصاریٰ نجران سے تحریری معاہدہ طے پایا، جس میں رسول اکرم ﷺ نے نجران کی عیسائی کمیونٹی کو دینی، مذہبی، معاشی، معاشرتی اور وہ تمدنی حقوق عطا فرمائے، جو انہیں اپنی حکومت میں بھی حاصل نہ تھے۔ اس مفاہمت اور مکالمے کی ابتدائے اسلام میں جتنی ضرورت تھی، اتنی ہی ضرورت آج ہے۔ اس وقت جب کہ دنیا میں تہذیبی تصادم کی جگہ بین التہذیبی مکالمے اور ڈائیلاگ کا رجحان محدود پیمانے پر ابھرا ہے، ہمیں اسے قبول کرنا چاہیے اور اپنے مذہبی اور تہذیبی موقف کی وضاحت اور اس کی تفہیم عقل و بصیرت، حکمت اور فراست سے کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بغداد پر تاتاریوں کا حملہ اور پھر ان کا قبول اسلام اس کی روشن مثال ہے۔

بقول اقبال:

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے(۵۱)

جس طرح تاتاری حکمرانوں کو شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ رشید الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ایمانی جرأت اور فراست نے اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا تھا اور اللہ نے انہیں اسلام کی اشاعت کا ذریعہ بنایا، اسی طرح ہماری دعوت، بصیرت اور مومنانہ فراست اہل مغرب کو اسلام کی حقانیت کے قریب لاسکتی ہے، بشرطیکہ ہم سنجیدگی سے دعوتی کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہوجائیں، اسی میں ان کی حیاتِ جاودانی کا راز ہے اور یہی چارۂ کار ہے۔

مکاں فانی مکیں فانی ازل تیرا ابد تیرا خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے(۵۲)

تہذیبوں کے درمیان مکالمہ نہ کہ تصادم:

تہذیبوں کے درمیان مکالمے کی کس حد تک ضرورت ہے اسلامی امت کا کردار اس سلسلے میں کتنا اہم ہے اس سلسلے میں اسلام آن لائن پر مفتی سراج االاسلام ھننگٹن کی تھیوری بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو تقسیمی خطوط ھننگٹن نے اسلامی سرحدوں پر گنوائے ہیں حقیقت میں وہ مغرب کے پیدا کردہ ہیں اسلام کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اسلام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی تبلیغ دوسرے ملکوں تک کرے۔

"Thus the US must dialogue with genuine Islamic leaders who stand for change through peaceful democratic means. All they are asking is a sincere understanding of and coexistance with muslims with mutual respect". (53)

اس سلسلے میں مفتی سراج الاسلام صاحب نے اپنے اسلامی رہنماؤں کو اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے کہ اصل میں یہ غلطی ان کی بھی ہے جو اپنا موقف صحیح طور پر بیان کرنے میں ناکام رہے ہیں ان کو یہ بتانا چاہیے کہ یہ تصادم ان پر مسلط کیا گیا ہے حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

"Also, Muslims and Islamic leaders must look at the west differently. If a "Clash" was imposed on the muslims world it is also because of their fault form a lack of communication. Islamic leaders should frequently interact with various western especially US leaders exchanging ideas apprising them that their objectives are for the good of humankind and reassuring them that they are not after their illegitimate interest in Musllim lands".(54)

مسلمانوں کو اپنی کوششوں کو متحد بنانے میں دوگنا کردار ادا کرنا چاہیے امریکی عوام اسلام کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین ہیں اس لیے ہر امریکی مسلم کو ایسے سانچے میں ڈھل جانا چاہیے کہ وہ باقی امریکیوں اور مغربیوں کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش کر سکے انہیں اسلام کے قائم کردہ مشن کا بھی علم ہونا چاہیے۔

''اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے اس لیے سلامی امہ اور مغرب West کے درمیان غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے مکالمے کی ضرورت ہے تا کہ تہذیبوں کے تصادم کا تصور تہذیبوں کے درمیان تعاون میں بدل جائے''۔(55)

عالمی کانفرنس کے موقع پر دنیا کے تمام سربراہان نے اسی نکتے کو دہرایا کہ تہذیبوں کے

درمیان تصادم کے بجائے مکالمے اور رابطے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے صرف حکومتی سطح پر نہیں بلکہ مسلم دانشوروں، مفکروں کو مغربی دانشوروں اور مفکروں سے تبادلہ خیال کرنا چاہیے۔ سیمینار ہونے چاہیں، مسلمان ملکوں کی یونیورسٹیوں کو فکر انگیزی، خیال آرائی اور خردافروزی کے مراکز بنانا چاہیے۔ ان کے بعد مغربی یونیورسٹیوں کے درمیان تعلیم وتحقیق کے تبادلے ہونے چاہیں۔(56)

بین التہذیب وبین المذاہب مکالمہ کی اہم بنیاد

قرآن حکیم نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے اس ارشاد کے ساتھ اہلِ کتاب کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہونے کی دعوت دی۔ ارشاد خداوندی ہے!

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ (۵۷)

''کہو! اے اہل کتاب: ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور اللہ کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنالیں''

آیت کریمہ میں کَلِمَة سَوَاء (مشترکہ نکتہ) سے مراد امام جصاص کے نزدیک ''عدل وانصاف کی بات'' ہے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں۔

''قول باری کَلِمَة سَوَاء سے مراد۔ ہمارے اور تمہارے درمیان ''انصاف کی بات ہے'' جس میں ہم سب یکساں ہیں، کیونکہ ہم سب اللہ کے بندے ہیں .....یہی وہ کلمہ ہے جس کی صحت کی عقول انسانی گواہی دیتی ہیں، کیونکہ تمام انسان اللہ کے بندے ہیں، ان میں سے بعض کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسروں سے اپنی عبادت کروائیں''(۵۸)

قرآن حکیم کی یہ پیشکش شاید اس وقت تو قابلِ غور نہ سمجھی گئی لیکن دورِ جدید میں اس کی ضرورت اور اہمیت کھل کر سامنے آ گئی

شریعت اسلامیہ میں جان، مال اور عزت وآبرو کی حرمت سے تعلق رکھنے والے قانون کا

دیگر شریعتوں سے بھی تعلق رہا ہے، ارشاد خداوندی ہے!

''کہہ! آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں، کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے حسن سلوک کرتے رہنا اور ناداری سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا، کیونکہ تم کو اور ان کو ہم رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں چاہے پوشیدہ، ان کے پاس نہ بھٹکنا اور کسی جان کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کر دیا ہے، قتل نہ کرنا، مگر جائز طور پر'' (۵۹)

سورۃ الاسراء کی آیت وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ (۶۰) کی تفسیر میں امام ترمذی ﷫ نے یہ روایت نقل کی ہے جب دو یہودیوں نے ان نو آیات (نشانیوں) کے متعلق نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا، تو آپ ؐ نے فرمایا! کہ وہ یہ ہیں ''کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، اور زنا نہ کرو، اور ناحق کسی انسان کو قتل نہ کرو، اور چوری نہ کرو اور جادو نہ کرو، اور کسی بے گناہ کو قتل کرانے کے لئے حکمران کے پاس نہ جاؤ اور سود نہ کھاؤ اور پاک دامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ، اور میدان جنگ سے نہ بھاگو، اور اے یہود تمہیں بطور خاص حکم دیا جا رہا ہے کہ ہفتہ کے دن حد سے نہ بڑھو، یہ سن کر ان دو یہودیوں نے آپ ؐ کے ہاتھ اور پاؤں چومے اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ؐ اللہ کے نبی ہے'' (۶۱)۔ ''سیدنا ابراہیم ؑ کی شخصیت مرکزی مقام کی حامل ہے اس حوالے سے تینوں ملتیں (یہود، مسیحیت اور اسلام) مل کر ایک دوسرے کی مسائل سن کر اپنے لیے متفقہ لائحہ عمل طے کر سکتی ہیں۔'' (۶۲)

مکالمہ بین التہذیب وبین المذاہب کی جہات کا جائزہ

☆ عصر حاضر میں ریاستیں مشترکہ ثقافت اور تہذیب کی بنیاد پر نئی دوستیوں اور دشمنیوں کا تعین کر رہی ہیں آج کی دنیا میں ٹرانسپورٹیشن اور کمیونیکشن کے ارتقاء نے مختلف تہذیبوں کے لوگوں کے درمیان میل جول میں اضافہ کر دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ تہذیبی شناختیں اہمیت اختیار کر گئی ہیں۔ فرانسیسی، جرمن، بلجیئن اور ڈچ خود کو یورپی تصور کرنے لگے ہیں۔ مشرق وسطیٰ کے مسلمان بوسنیا اور چیچنیا کے مسلمانوں سے ہم آہنگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ سارے مشرقی ایشیا کے چینی نسل کے لوگ چین کے ساتھ اپنے مفادات کو ہم آہنگ کر رہے ہیں روسی سربوں اور دیگر قدامت پسندوں کے ساتھ وابستگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ تہذیبی تشخص کے یہ وسیع درجے تہذیبی اختلافات کے گہرے

شعور کو واضح کرتے ہیں۔(۶۳)

☆ ثقافت کی بنیاد پر نئی شناختوں کو تقویت ملی ہے لوگ اپنی نسل، مذہب، زبان، اقدار و روایات اور اداروں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو قابل اعتماد تصور کرتے ہیں اور ان لوگوں سے فاصلہ اختیار کر لیتے ہیں جو ان سے مختلف نسل، مذہب، زبان، اقدار و روایات اور اداروں سے مربوط ہوں۔ کمیونزم کے خاتمے کے بعد سابقہ مشرقی یورپ کے ملکوں کو ناٹو اور یورپی یونین جیسی تنظیموں کی رُکنیت مل رہی ہے۔ کیونکہ وہ ثقافتی اعتبار سے یورپی ہی ہیں جبکہ مسلمان ملک ترکی کو یورپی یونین میں شامل کرنے سے واضح انکار کر دیا گیا ہے سابق سوویت یونین کی اسلامی جمہوریائیں آپس میں بھی سیاسی و اقتصادی اتحاد قائم کر رہی ہیں۔ اور ترکی، ایران، سعودی عرب اب نئی ریاستوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی بھرپور کوششیں کر رہے ہیں(۶۴)۔ عالمی سطح پر تہذیب و ثقافت کی بنیاد پر اُٹھ کھڑے ہونے والے تنازعے تا حال حل نہیں ہو سکے۔ ہندو اور مسلمان اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے کہ ایودھیا میں مسجد اور مندر دونوں کو بنالیا جائے یا نہیں۔ کوسوو کے حوالے سے البانوی مسلمانوں اور قدامت پسند سربوں کے مابین بظاہر سادہ سا معاملہ حل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہودیوں اور عربوں کے درمیان یروشلم کا مسئلہ آسانی سے حل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر مقام فریقین کے لئے گہری تاریخی، ثقافتی اور جذباتی اہمیت رکھتا ہے۔ مشرقی ایشیا کے ملکوں میں جو چھ تہذیبوں کا مشترکہ گھر ہیں۔ مسلمانوں، چینیوں اور عیسائیوں کے باہمی تعلقات میں تناؤ پیدا ہو گیا ہے اور تشدد سے بھرپور واقعات کثرت سے رونما ہو رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ مشرقی ایشیا کے ملکوں میں اسلحہ خریدنے کا رجحان فروغ پا رہا ہے(۶۵)۔

☆ جدیدیت (Modernization) کی وجہ سے ثقافتی خطوط پر عالمی سیاست کی تشکیل کے عمل کو مہمیز ملی ہے۔ ثقافتی، نسلی، مذہبی اور تہذیبی خطوط پر نئی سیاسی سرحدیں اُبھر رہی ہیں سرد جنگ کے زمانے میں قائم ہونے والے بلاکوں کی جگہ ثقافتی برادریاں لے رہی ہیں۔ تہذیبوں کی سیاست، عالمگیریت کا درجہ پا رہی ہے(۶۶)۔

☆ فوجی اور اقتصادی اتحاد میں وہ تنظیمیں کامیاب ہیں جن کے ارکان کثیر التہذیبی نہیں ہیں کیونکہ ان میادین کی کامیابی ارکان کے تعاون پر منحصر ہے جو باہمی اعتماد سے ممکن ہے اور اعتماد مشترک اقدار و ثقافت سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی اصول کا اطلاق سیاسی، امن و سلامتی کی اور اقتصادی

تنظیموں پر ہوتا ہے۔ Nato کی کامیابی کا سبب مشترک اقدار وتصورات کے حامل رُکن ممالک ہیں یورپی یونین بھی یورپ کی مشترک ثقافت کی پیداوار ہے جبکہ اس کے مدمقابل جنوبی ایشیائی تعاون کی تنظیم ہے جو 1985ء میں قائم ہوئی تھی ہندو، مسلم اور بدھ تہذیبوں کے سات ریاستوں سے متعلقہ اراکین کی وجہ سے غیر مؤثر ہوگئی۔

☆ یورپی یونین ایک مشترکہ منڈی اور معاشی اتحاد ہے جبکہ ایشیا میں مختلف تہذیبوں کی حامل ریاستوں والی تنظیم آسیان نے 1992ء میں ایک آزادانہ تجارتی علاقے کے قیام میں پیش رفت کی ہے دیگر کثیر تہذیبی اقتصادی تنظیمیں پیش رفت کرنے میں ناکام ہوگئیں ہیں کیونکہ مشرق ایشیا بشمول روس چھ تہذیبوں کی آماجگاہ ہے لہٰذا یہاں ہم آہنگی وتعاون کی تنظیم کامیاب نہ ہوسکی۔ آسیان کے اتحاد کا سبب بھی خارجی طور پر شمالی ویت نام اور چین کی طرف سے خطرہ اور داخلی طور پر کمیونسٹ انقلاب کا خوف تھا(۶۷)۔

اشاعتِ اسلام کے لیے مکالمہ کی ضرورت:

جب مختلف المذاہب لوگوں کے درمیان مکالمہ ہوگا تو اشاعت اسلام میں آسانی ہوگی مسلمانوں کے لیے اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانا آسان ہوگا۔

''جہاں اللہ رب العزت نے مسلمانوں پر باہمی محبت اور تعاون کرنے کے احکام صادر فرمائے ہیں وہاں غیر مذاہب کے ساتھ امن وامان کے ساتھ رہنے کی تلقین بھی فرمائی۔ لہذا عالمی امن کے استحکام کی خاطر مسلمانوں کو عیسائیوں، یہودیوں اور دنیا کی دیگر اقوام سے رابطہ قائم کرنا چاہیے اور اسلام کا اصل پیغام پہنچانا چاہئے جو محبت، سلامتی، یکجہتی، برداشت اور صبر پر مشتمل ہے۔ جو کہ امت مسلمہ پر فرض عین ہے۔''(۶۸)

''مسلمانوں کو آگے بڑھ کر دیگر اقوام کو بتانا چاہیے کہ وہ کون سے راستے پر چل کر دائمی ناکامی سے بچ سکتے ہیں۔ انہیں یہ بھی بتانا ہمارا فرض ہے کہ ابھی تمہارے پاس اپنی زندگی کے طور طریقے تبدیل کرنے کے لیے وقت ہے جب یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو کفِ افسوس کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہے گا۔''(۶۹)

''اسلام دعوت کا دین ہے اور قطعی دلائل سے اللہ کی توحید اور عبادت پر انسانوں کو جمع

کر کے دنیا کو پرامن بناتا ہے اور ہر جان، ہر مال اور ہر عزت کی حفاظت کا درس دیتا ہے۔ چاہے وہ جان، مال اور عزت غیر مسلم ہی کی کیوں نہ ہو"۔(۷۰)

اسلام ایک عالمگیر اور آفاقی دین ہے اس دین میں رب العزت نے اپنا تعارف بطور رب العلمین کے کرایا ہے، کہ وہ سارے جہاں کا پروردگار ہے۔ حضورﷺ کو کافۃ الناس اور رحمۃ للعالمین کے خطاب سے نوازا کہ آپ کی رسالت و نبوت اور رحمت کل کائنات کے لیے ہے۔ قرآن حکیم کے بارے میں فرمایا یہ ھدی للعالمین ہے پوری کائنات کے لیے کتابِ ہدایت ہے۔ گویا اسلام کی تعلیمات زمان و مکاں، رنگ و نسل، فرقہ و مذہب ہر قسم کی حد بندیوں سے بالاتر ہیں۔

تھیوڈور موریسن کا ایک مقالہ بہ عنوان "انگلستان اور اسلام" میں لکھتا ہے۔

"سچ تو یہ ہے کہ اسلام فقط مذہب نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ ہے یہ ایک مکمل معاشرتی نظام ہے یہ ایک تہذیب ہے جس کے پاس اپنا فلسفہ ہے اپنا کلچر ہے اور اپنا آرٹ ہے۔"(۷۱) اور ساتھ ہی ریورینڈ مرے ٹائٹیس اسلامی اخوت کے نظریئے کی تائید کرتے ہوئے بیان کرتا ہے"اخوت اسلامی ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ یہ حق ہے ایک قانونی نظام بھی ہے اور معاشرتی نظام بھی۔ اسلام میں واقعی ایسی اخوت موجود ہے جو رنگ و نسل، طبقے اور قومیت میں اتحاد کا عامل ہے۔"(۷۲) اسلام روادارانہ سوچ کو معاشروں میں فروغ دیتا ہے۔ جبر اور متشدد رویے کی آبیاری نہیں کرتا اس حوالے سے بھی"قرآن حکیم کا جتنا غائر مطالعہ کیا جائے گا اتنی ہی یہ حقیقت منکشف ہوتی چلی جائے گی کہ اسلام صرف افہام اور تفہیم کا قائل ہے وہ دل جیتنا چاہتا ہے سر اور زبان نہیں"(۷۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انفرادی سطح ہو یا اجتماعی معاملات غیر مذاہب اور اقوام کے ساتھ ہر طرح کا تعاون اور مدد فرمائی اُن کے جان و مال عزت وآبرو کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا اس سلسلے میں میثاق مدینہ ایک زبردست مثال ہے۔ ابن ہشام نے اس معاہدے کا پورا متن نقل کیا ہے اس کی دفعہ ۲ ملاحظہ ہو۔

"ان بینھم النصح والنصیحة والبر دون الاثم"(۷۴)

یہود اور مسلمان کے درمیان دوستی اور خیر خواہی رہیگی برائی نہیں رہیگی۔

یہ رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وسعت نظری اور رواداری کی یہ زبردست مثال ہے کہ انہوں نے یہودیوں سے کسی قسم کی کراہت اور تعصب کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ اجتماعی مفاد کی خاطر ان کے ساتھ کھلے دل کے ساتھ اتحاد کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودی مسلمانوں کی تہذیبی اقدار کے اثرات سے مستفید ہوئے انہیں قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا اور آپس میں سے بغض اور تعصّبات میں کمی واقع ہوئی۔ یہ معاہدہ رواداری کی تھی۔ اِس نے یثرب کی ریاست میں مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کو ایک اجتماعیت کی لڑی میں پرو کر رکھ دیا تھا۔

> ''مدینہ منورہ میں قیام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین و انصار کی جانب سے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا اور نسل و مذہب کے اختلاف کے باوجود سب کو تمدن اور تہذیب کی بنیاد پر ایک جماعت قرار دیا'' (۷۵)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امن پسندی اور صلح جوئی کا اندازہ صلح حدیبیہ کے اس تاریخی واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جب انھوں نے عام معاشرتی امن اور استحکام کی خاطر غیر مسلموں کے ساتھ دب کر صلح گوارہ کی لیکن معاشرتی امن و سکون کو برباد ہونے سے محفوظ کر لیا۔ ''علماء سیرت لکھتے ہیں کہ صلح کا نتیجہ یہ نکلا کہ کفار اور مسلمانوں کے درمیان سلسلۂ آمد ورفت قائم ہو جانے سے اس قدر اسلام کی اشاعت ہوئی کہ تھوڑی ہی مدت میں کفار کی اکثر جماعتیں مشرف باسلام ہوگئیں اور اسلامی اخلاق اور حسنِ سلوک نے ان کو بہت مسخر کر لیا۔'' (۷۶)

> حالانکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وسعت نظری اور رواداری کا یہ عالم تھا کہ آپ نے ''نہ صرف کھلے ذہن کے ساتھ اسلام سے پہلے کے کئی عرب اطوار کو قبول کیا بلکہ مزید ارشاد فرمایا کہ اسلام میں دور جاہلیت کی اچھی باتوں پر عمل جاری رہے گا۔'' (۷۷)

اسلام چونکہ عقل وشعور کا دین ہے لہذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی جبر کے ساتھ اسلام میں داخل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی اور نہ ہی اس کی تعلیم دی بلکہ غور وفکر اور تحقیق وجستجو کا پورا موقع فراہم کیا۔ اس کی تائید میں یورپی مفکر کیرن آرم سٹرانگ لکھتی ہیں۔

''جب عیسائی ورقہ بن بن نوفل نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا نبی تسلیم کیا تھا تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نہ ہی خود اسے اپنی تبدیلی مذہب کی توقع تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی یہودیوں یا عیسائیوں کو اتنی دیر تک اللہ کا دین قبول کرنے کو نہ کہا جب تک کہ وہ خود اس کے خواہشمند نہ ہوئے کیونکہ ان کے پاس بھی مستند وحی تھی قرآن میں سابقہ انبیاء کے پیغامات کو منسوخ نہیں کیا گیا بلکہ انسانیت کے مذہبی تجربہ کے تسلسل کی ضرورت پر زور دیا گیا۔'' (۷۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے اِن پہلوؤں پر بھی غور کیا جائے تو آج بھی بین التہذیبی اور بین الثقافتی ہم آہنگی کے فروغ کے لیۓ اس قسم کے اقدامات کیے جا سکتے ہیں۔

مکالمہ بین المذاہب و بین التہذیب کے حوالے سے محسن انسانیت ﷺ کا کردار

قرآن کریم میں غیر مسلموں کے متعلق ایک مقام پر واضح اور اصولی طور پر ارشاد فرمایا گیا:

"**لَایَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ o اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ وَظٰھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ**" (۸۹) ''اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و انصاف کا برتاؤ کرو، جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تو تمہیں ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے، جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے بے دخل کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کی، ان سے جو شخص دوستی کرے، وہی ظالم ہے۔''

مشہور مفسر قرآن علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ کسی بھی دین وملت کے وہ افراد جو برسر جنگ نہ ہوں، ان کے ساتھ عدل وانصاف اور حسن سلوک کیا جائے گا۔ (۸۰)

اسی طرح قرآن کریم میں ایک مقام پر فرمایا گیا: "وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئاً وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً وَّبِذِی الْقُرْبیٰ وَالْیَتٰمیٰ وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْجَارِذِی الْقُرْبیٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجُنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْراً" (۸۱) ''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ، رشتے داروں کے ساتھ، یتیموں کے ساتھ، مسکینوں کے ساتھ اور رشتے دار پڑوسی کے ساتھ اور غیر رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ اور ہم مجلس اور مسافر کے ساتھ اور اپنے غلاموں (زیر دستوں) کے ساتھ حسن سلوک کرو، بے شک اللہ تعالیٰ مغرور و متکبر لوگوں کو پسند نہیں فرماتا۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "فالوصاۃ بالجار مأمور بھا مندوب الیھا مسلماً کان اوکافراً"۔ نیز فرماتے ہیں کہ "قال العلماء الاحادیث الواردۃ فی اکرام الجار جاءت مطلقۃ غیر مقیّدۃ حتیٰ الکافر"۔(۸۲)

علماء نے کہا ہے کہ پڑوسی کے حقوق کے سلسلے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، وہ مطلق ہیں، ان میں کوئی قید نہیں، یہاں تک کہ کافر کی بھی قید نہیں۔

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: "انّ یھودیاً دعا النّبی صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ خُبز شعیرواھالۃ سنخۃ فاجابہ"(۸۳)

ایک یہودی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کی روٹی اور چربی یا تیل کھانے کی دعوت دی، آپؐ نے اسے قبول فرمالیا۔

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ بنو نجار کے ایک شخص کی عیادت کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے جو کہ غیر مسلم تھا، آپؐ نے اس سے فرمایا: اے ماموں، لا الٰہ الّا اللّٰہ کا اقرار کیجیے، اس نے کہا، میں ماموں ہوں یا چچا؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، آپ ماموں ہیں (کہ آپؐ کی والدہ حضرت آمنہ کا تعلق بنو نجار سے تھا) اس نے کہا کیا "لا الٰہ الّا اللّٰہ" کا اقرار میرے حق میں بہتر ہوگا، آپؐ نے فرمایا، ہاں۔

☆ اسلام کے معاشرتی آداب میں سے ایک ''سلام'' کرنا اور اس کا جواب دینا بھی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: "وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَا اَوْرُدُّوْھَا"(۸۴) ''اور جب تمہیں کسی لفظ دعاء سے سلام کیا جائے تو تم ایسے لفظ سے اس کا جواب دو، جو اس سے بہتر ہو یا کم از کم انہی الفاظ کو دہرا دو۔''

اس آیتِ طیبہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے ہے کہ "**ردّوا السلام علیٰ من کان یهودیاً او نصرانیاً او مجوسیاً**"۔(۸۵) ''ہر ایک کے سلام کا جواب دو، اگر چہ سلام کرنے والا یہودی یا نصرانی یا مجوسی ہی کیوں نہ ہو۔''

اسلام کی یہ تعلیمات اس امر کی نشان دہی کرتی نظر آتی ہیں کہ عام غیر مسلموں سے ربط و تعلق سے اسلام نے منع نہیں کیا، بلکہ وقتِ ضرورت ان کی خدمت کرنا اور ان کے دکھ درد میں کام آنا، ایک پسندیدہ عمل اور کارِ ثواب ہے۔

''سورۃ البقرہ'' میں ایک جگہ راہ خدا میں انفاق کا ذکر اور ترغیب ہے، اخلاص کی ہدایت اور ریاکاری سے بچنے کی تاکید ہے اور دیگر دوسری تفصیلی ہدایات ہیں۔ عین ان تفصیلات کے درمیان میں ایک آیت آئی ہے جو قابلِ غور اور ہمارے موضوع سے اس کا خاص تعلق ہے۔ ارشاد فرمایا گیا: "**لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰهُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلِاَنۡفُسِكُمۡ وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يُّوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ**"(۸۶) (اے پیغمبرؐ) آپؐ پر ان کو ہدایت بخش دینے کی ذمہ داری نہیں ہے، البتہ اللہ جسے چاہتا ہے، ہدایت سے نوازتا ہے۔ تم جو بھی مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، اس کا فائدہ تم کو ہی پہنچے گا۔ دیکھو، تم اللہ کی رضا ہی کے لیے تو خرچ کرتے ہو۔ جو مال بھی خرچ کرو گے، اس کا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی نہ ہوگی۔

اس آیت کا اصل مضمون سے کیا تعلق ہے، اس بارے میں تفاسیر میں متعدد روایات ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت تھی کہ مسلمان جو کچھ صدقہ وخیرات کریں، وہ مسلمانوں ہی پر کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(۸۷)

ایک روایت میں اس ممانعت کی وجہ بھی بیان ہوئی ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ ذمیوں میں جو حاجت مند ہوتے، مسلمان ان پر انفاق کیا کرتے تھے، جب مسلمانوں ہی میں حاجت مندوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو آپؐ نے فرمایا: ''تم مسلمانوں ہی پر صدقہ وخیرات کرو۔'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان لوگوں پر بھی خرچ کرنے کی اجازت دی گئی جو دائرۂ اسلام سے باہر ہیں۔(۸۸)

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک اور روایت ہے۔ فرماتے ہیں، انصار کے رشتے بنو قریظہ اور بنو نضیر سے تھے، انصار ان پر اپنا مال خرچ کرنے سے احتراز کرتے تھے۔(۸۹)

ان کی خواہش تھی کہ وہ اسلام لے آئیں، تو ان پر خرچ کیا جائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت بتاتی ہے کہ پس منظر میں یہود اور ان سے تعلقات تھے، گویا آپؐ نے ہدایت کی کہ ان کے نادار بھی حسن سلوک کے مستحق ہیں اور ان پر بھی انفاق ہونا چاہیے۔ بعض دوسری روایات میں اسی پس منظر کے ساتھ مشرکین کا ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ مشرکین پر انفاق نہیں کرتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (۹۰)

حضرت قتادہ ایک عمومی بات بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے بعض صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ جو لوگ ہمارے ہم مذہب نہیں ہیں، کیا ان پر بھی انفاق کیا جا سکتا ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مسلم و غیر مسلم ہر فرد اور ہر طبقے پر صدقہ و خیرات کی ہدایت فرما دی۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں: ''اس آیت کے بعد آپؐ نے حکم دیا کہ کسی بھی دین کا ماننے والا تم سے سوال کرے، تو اس پر خرچ کرو۔'' (۹۱)

اسی سلسلے کی ایک اور روایت ابن ابی شیبہ میں ہے: ''تمام اہل مذاہب پر صدقہ و خیرات کرو۔'' حضرت سعید بن مسیّب کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی گھرانے پر صدقہ کیا تھا، جو بعد میں بھی جاری رہا (۹۲) اس آیت کے سیاق و سباق سے بحث کرتے ہوئے علامہ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''یہ آیت صدقات کے ذکر سے ملی ہوئی ہے۔ گویا اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ مشرکین پر صدقہ کرنا جائز ہے۔'' (۹۳)

قرآن کریم میں ایک موقع پر فرمایا گیا: "وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا o اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا o اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا" (۹۴) اور وہ کھانا کھلاتے ہیں، اپنی خواہش اور طلب کے باوجود، مسکین، یتیم (اور قیدی کو اور کہتے ہیں کہ) ہم تو تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلا رہے ہیں، تم سے کسی بدلے یا شکریے کے طالب نہیں ہیں۔ ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا ڈر ہے جو سخت مصیبت والا اور طویل ہوگا۔''

اس آیت کے ذیل میں دو طرح کی رائے ملتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ''اسیر وہ ہے جس کا تعلق مشرکین سے ہو، جو مسلمانوں کے ہاتھ میں (قیدی) ہو۔''

یہی تفسیر قتادہ اور سعید بن جبیر ؒ نے کی ہے۔ قتادہ ؒ کہتے ہیں ''اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور اس دور میں ان کے قیدی اہل شرک ہی ہوتے تھے۔(۹۵)

حضرت عطا بن ابی رباح ؒ کہتے ہیں کہ ''اسیر'' اہل قبلہ (مسلمان) اور غیر اہل قبلہ (غیر مسلم) دونوں ہی ہوسکتے ہیں، قرطبی ؒ نے اسے ایک جامع قول قرار دیا ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں ''مشرک قیدی کو کھانا کھلانا بھی اللہ تعالیٰ سے قربت کا ذریعہ ہے۔ البتہ اس پر خرچ فرض صدقات میں سے نہیں۔ نفلی صدقات میں سے ہوگا۔(۹۶)

مشہور حنفی فقیہ امام جصاص ؒ کہتے ہیں کہ یہاں ''اسیر'' سے مراد مشرک قیدی ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان قیدی کو علی الاطلاق ''اسیر'' نہیں کہا جاتا، اس کے بعد فرماتے ہیں: ''آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ قیدی کو کھانا کھلانا اللہ سے تقرب کا ذریعہ ہے۔''(۹۷)

☆ جنگ بدر میں مشرکین کے ۷۰ افراد مارے گئے اور ۷۰ ہی قیدی بنائے گئے، رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کو صحابہ کرامؓ کے درمیان تقسیم کردیا اور نصیحت فرمائی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، اس پر عمل جس طرح ہوا، اس کا ذاتی مشاہدہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابوعزیز بن عمیرؓ کی زبانی سنیے:

''وہ اس جنگ میں نضر بن حارث کے بعد مشرکین کے لشکر میں علم بردار تھے، فرماتے ہیں گرفتاری کے بعد بعض انصارؓ کے حوالے کیے گئے، رسول اللہ ﷺ کی نصیحت کا ان پر یہ اثر تھا کہ صبح و شام کھانے کے وقت مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجور کھاتے، ان میں سے کسی کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی ملتا، تو مجھے دے دیتا، اسے ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ اس سے مجھے شرم سی محسوس ہوتی تھی۔(۹۸)

یہ جنگِ بدر کے قیدیوں کا ذکر ہے۔ دیگر قیدیوں کے ساتھ بھی یہی مہذب اور شریفانہ رویہ اختیار کیا گیا۔ حضرت حسن بصری ؒ فرماتے ہیں ''رسول اللہ ﷺ کے پاس قیدی لایا جاتا، تو آپؐ اسے کسی مسلمان کے حوالے کردیتے اور فرماتے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو، یہ قیدی اس کے پاس دو تین دن رہتا اور وہ مسلمان اس کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتا تھا۔''(۹۹)

نامور عرب محقق ڈاکٹر یوسف القرضاوی لکھتے ہیں: ''یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بیت المال سے

صرف غریب مسلمان ہی نہیں مستفید ہوتے، بلکہ ان کے علاوہ وہ غیر مسلم جوذمی کہلاتے ہیں اور اسلامی مملکت کے زیر سایہ زندگی گزارنے کا عہد کیے ہوتے ہیں، ان کا بھی حق ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے بیت المال سے فیض یاب ہوں۔ چنانچہ امام یوسف نے ''کتاب الخراج'' میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے اس معاہدے کو بعینہٖ نقل کیا ہے، جو ان کے اور حیرہ کے باشندوں کے درمیان عراق میں ہوا تھا۔ حیرہ کے یہ باشندے عیسائی تھے، یہ سیاسی معاہدہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ تنگدستی، بیماری یا بڑھاپے کی صورت میں مسلمان اس قوم کے ساتھ مکمل تعاون کی ذمہ داری اپنے اوپر عائد کرتے ہیں۔ یہ اسلامی تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی سماجی گارنٹی تھی، جو اسلامی افواج کے سالار حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس قوم کو دی، جس نے اپنے مذہب پر برقرار رہنے کو پسند کیا تھا۔ (۱۰۰)

علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں: ''اسلام اپنے مخالفین کے ساتھ عدل اور حسن سلوک کرنے سے نہیں روکتا، خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، یہاں تک کہ وہ بت پرست مشرک ہی کیوں نہ ہوں، وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ خصوصی رعایت برتا ہے، خواہ وہ دارالاسلام میں رہتے ہوں یا اس سے باہر۔'' (۱۰۱)

ممکن ہے بعض لوگ یہ خیال کرنے لگیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ بھلائی، حسنِ سلوک اور رواداری کے مراسم کس طرح پیدا کیے جاسکتے ہیں، جب کہ قرآن حکیم میں کفار و مشرکین کو دوست اور حلیف بنانے کی سخت ممانعت اور ایسا کرنے پر شدید وعید ہے۔ اس حوالے سے علامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں: ''اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیتوں کا حکم علی الاطلاق نہیں کہ ہر یہودی، نصرانی یا کافر پر اس کا اطلاق ہو۔ ورنہ یہ بات ان آیتوں اور نصوص کے متناقض ہوگی جن میں خیر پسند لوگوں کے ساتھ خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، دوستانہ تعلقات کو جائز قرار دیا گیا ہے۔'' (۱۰۲)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملے ہوتے ہیں (۱) موالات: یعنی دوستی (۲) مدارات: یعنی ظاہری خوش اخلاقی (۳) مواساۃ: یعنی احسان اور نفع رسانی۔ موالات تو کسی حال میں جائز نہیں ہے اور مدارات تینوں حالتوں میں درست ہے۔ ایک دفع ضرر کے لیے، دوسرے اس کافر کی مصلحتِ دینی یعنی توقع ہدایت کے واسطے، تیسرے اکرام ضیف کے لیے اور اپنی مصلحت و منفعت مال و جان کے لیے درست نہیں اور مواساۃ کا حکم یہ ہے کہ اہل حرب کے ساتھ ناجائز اور غیر اہل حرب کے ساتھ جائز ہے''۔ (۱۰۳)

☆امام بخاری ؒ باب باندھتے ہیں: "باب عیادۃ المشرک" (۱۰۴)

اس باب کے تحت حضرت انس بن مالکؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک یہودی لڑکا اللہ کے رسولؐ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک بار وہ بیمار پڑ گیا تو آپؐ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپؐ نے اس سے فرمایا کہ اسلام لے آؤ، اس نے آپؐ کی بات مان لی اور وہ اسلام لے آیا۔(۱۰۵)

اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم کی عیادت کے لیے جانا صحیح اور بہتر ہے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اس وقت اسے نصیحت کی جائے اور اسلام کی دعوت دی جائے۔(۱۰۶)

☆خود اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بعض اوقات یہودی آکر بیٹھتے تھے اور آپ کا ان سے لین دین کا معاملہ بھی رہتا تھا۔

☆کسی غیر مسلم کے پڑوس میں رہنے کی وجہ سے بسا اوقات ان کی خوشی و غمی میں شرکت کا موقع ملتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کا ایک ٹھوس اور اٹل فیصلہ یہ ہے کہ: "وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"(۱۰۷) "اور نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔"

☆کافروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، مالی طور پر ان کی مدد کرنا، ان کی عزت کا پاس و لحاظ رکھنا، ان کے سامنے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا، یہ ایسے امور ہیں جو نہ صرف جائز بلکہ بسا اوقات مستحب ہو جاتے ہیں، خصوصاً ایسے وقت جب یہ امید ہو کہ ایسا کرنے سے وہ دین اسلام کی طرف مائل ہوں گے اور اگر کفار و مشرکین عزیز و اقارب میں سے ہوں تو اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ" (۱۰۸) "جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور نہ ہی تمہیں جلاوطن کیا، ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے، جنہوں نے تم سے دین کے بارے

میں لڑائیاں لڑیں اور تمہیں دیس سے نکال دیا اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کی، جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں، وہ قطعاً ظالم ہیں۔

علامہ یوسف قرضاوی ان آیات کے متعلق لکھتے ہیں: ''پہلی آیت میں ان غیر مسلمین کے ساتھ جو مسلمانوں کے دشمن یا ان سے برسر جنگ نہیں ہیں، نہ صرف عدل وانصاف کی بلکہ حسن سلوک اور ''بر'' کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔ ''بر'' ایک جامع لفظ ہے جو ہر قسم کے خیر اور بھلائی کو شامل ہے۔ گویا ''بر'' عدل سے زائد چیز ہے۔

آیت کے الفاظ ''لاینھٰکُم اللّٰہ'' (اللہ تمہیں نہیں روکتا) سے حسن سلوک کے مطلوب ہونے کی نفی نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ اسلوب اس بناء پر اختیار کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات آسکتی تھی کہ دین کے مخالفین حسن سلوک اور عدل وغیرہ کے مستحق نہیں ہیں۔ اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے واضح کر دیا گیا کہ اللہ مخالفین کے ساتھ حسن سلوک، دوستی اور عدل کرنے سے نہیں روکتا، بلکہ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات سے روکتا ہے، جو مسلمانوں کے خلاف برسر جنگ ہوں اور ان کے خلاف جارحیت اختیار کریں۔

اسلام جہاں اپنے مخالفین کے ساتھ عدل اور حسن سلوک کرنے سے نہیں روکتا، خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، یہاں تک کہ وہ بت پرست مشرک ہی کیوں نہ ہوں، وہاں وہ اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کے ساتھ خصوصی رعایت برتتا ہے، خواہ وہ دارالاسلام میں رہتے ہوں یا اس سے باہر، چنانچہ قرآن ''یآ اھل الکتاب'' (اے اہل کتاب) اور ''یآ ایھا الّذین اوتوا الکتاب'' (اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی گئی) کہہ کر ان سے خطاب کرتا ہے، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اصلاً آسمانی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا ان کے اور مسلمانوں کے درمیان رشتہ اور قرابت ہے، یعنی اس دین واحد کے اصولوں میں اتفاق ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین رہا ہے۔ (۱۰۹)

اس سے پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلام نے اہل کتاب کے ساتھ کھانے میں شرکت اور ان کا ذبیحہ کھانے کی اجازت دی ہے اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے، حالانکہ زوجیت کا رشتہ سکون و مودّت کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ہے عام اہل کتاب کے ساتھ اسلام کا روادارانہ سلوک۔ (۱۱۰)

ان دونوں آیتوں پر غور کریں تو درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) کافروں کے ساتھ حسن سلوک تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔

ا: وہ مسلمانوں سے برسر پیکار نہ ہوں۔

ب: مسلمانوں کے خلاف سازشیں نہ کرتے ہوں اور نہ ہی انہوں نے مسلمانوں کو ان کے مال واسباب سے دور ہونے پر مجبور کیا ہو۔

ج: وہ مسلمانوں کے دشمنوں سے پینگیں نہ بڑھاتے ہوں اور کسی طرح سے ان کی مدد نہ کررہے ہوں۔

(۲) مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ انصاف کا دامن نہ چھوڑیں، حتیٰ کہ کافروں کے ساتھ بھی انصاف کرنے کو اللہ پسند فرماتا ہے۔

(۳) جو کافر مسلمانوں کے ساتھ برسر پیکار ہوں، ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی مدد جائز نہیں ہے، بلکہ ہر ممکن طور سے انہیں کمزور کرنا چاہیے۔

(۴) کافروں کے ساتھ دوستی اور وفاداری کسی صورت میں جائز نہیں ہے، بلکہ یہ ظلم ہے۔

(۵) حسن سلوک اور موالات میں فرق ہے۔ چنانچہ جو کافر مسلمانوں سے برسر پیکار نہ ہوں، ان سے حسن سلوک کیا جائے گا، لیکن موالات صرف اللہ و رسولؐ اور مومنین کے ساتھ خاص ہے۔ اس لیے پہلی آیت جس میں حسن سلوک کا حکم ہے۔ اس کے خاتمے پر صلہ رحمی اور احسان کا حکم ہے اور دوسری آیت کے خاتمے پر موالات اور دوستی سے منع کیا گیا ہے، جس کا واضح مفہوم ہے کہ دونوں کا حکم الگ ہے۔(۱۱۱)

علامہ یوسف قرضاوی ﷾ لکھتے ہیں: مسلمان حکام ہوں یا رعایا۔ فنی امور میں جو دین سے متعلق نہیں ہیں، مثلاً طب، صنعت، زراعت وغیرہ میں غیر مسلموں سے تعاون حاصل کر سکتے ہیں، اگرچہ ان کے حق میں بہتر یہ ہے کہ وہ ان تمام امور میں خود کفیل ہوں۔ سیرتِ نبویؐ میں ہمیں یہ واقعہ ملتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک مشرک عبداللہ بن اُریقط کی خدمات ہجرت کے موقع پر راہ داری کے لیے حاصل کی تھیں۔ (۱۱۲)

علما کہتے ہیں: رہبری سے زیادہ خطرناک بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ خاص طور سے مدینے کی ہجرت کا معاملہ تو بڑا ہی خطرناک تھا، لیکن جب آپ ﷺ نے اس سلسلے میں ایک کافر کی خدمات حاصل کر لیں تو اس سے واضح ہوا کہ کسی کے کافر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس پر کسی معاملے میں بھی

بھروسہ نہ کیا جائے، جو علماء اس کے قائل ہیں، ان میں سے اکثر کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کا امام غیر مسلمین اور خاص طور سے اہل کتاب کا تعاون جنگی معاملات میں حاصل کرسکتا ہے اور ایسی صورت میں مسلمانوں کی طرح ان کا حصہ بھی مال غنیمت میں مقرر کرسکتا ہے۔ امام زہری ؒ کہتے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے بعض یہودیوں سے جنگ کے موقع پر تعاون حاصل کیا تھا اور ان کے لیے مال غنیمت میں حصہ مقرر کیا تھا اور صفوان بن امیہ نبی ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے تھے، حالانکہ اس وقت وہ مشرک تھے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جس کا تعاون حاصل کیا جائے، اس کے بارے میں مسلمانوں کی رائے اچھی ہو، اگر مسلمانوں کو اس پر بھروسہ نہ ہو تو ایسے شخص کا تعاون حاصل کرنا جائز نہ ہوگا، کیوں کہ جب ہم کسی ایسے مسلمان کا تعاون حاصل کرنے سے احتراز کرتے ہیں جو لوگوں کو خوفزدہ کرتا ہو یا افواہیں پھیلاتا ہو، تو کافر سے بدرجۂ اولیٰ احتراز کرنا چاہیے۔ (۱۱۳)

☆ سیرت النبیؐ کے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کا غیر مسلم کو ہدیہ دینا، ان کا ہدیہ قبول کرنا اور انہیں بدلے میں ہدیہ دینا جائز ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے غیر مسلم بادشاہوں کے ہدیے قبول فرمائے تھے۔ (۱۱۴)

☆ ایسی حدیثیں باکثرت ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کفار کا ہدیہ قبول فرماتے تھے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا ''نجاشی نے مجھے کپڑے کا جوڑا اور ریشم بھیجا ہے۔'' (۱۱۵)

☆ اسلام انسان کا انسان ہونے کی حیثیت سے احترام کرتا ہے خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہو، نیز معاہد یا ذمی بھی ہو تو ایسا شخص اسلام کی نظر میں لائق احترام ہے۔

☆ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ جانے لگا تو آپ ﷺ اس کے لیے کھڑے ہوگئے عرض کیا گیا، یا رسول اللہ ﷺ یہ یہودی کا جنازہ ہے؟ فرمایا: ''کیا وہ انسان نہیں ہے؟'' (۱۱۶)

"لَا یَنۡهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡكُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَلَمۡ یُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِیَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡهِمۡ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ۝ (۱۷)

قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ کی روشنی میں جب ہم اسوۂ رسولؐ اور تعلیمات نبویؐ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آتی ہے کہ آپؐ نے اس حوالے سے اپنے

بدترین دشمنوں اور غیر مسلموں کے مختلف مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد کے ساتھ روابط، تعلقات اور حسن سلوک کی وہ روشن مثال پیش کی، جو آپ کو تمام ہادیان عالم میں ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔ دور حاضر میں بین التہذیبی روابط، مذاہب کے درمیان مکالمے اور پرامن بقائے باہمی کے لیے یہ مثالی تعلیمات ابدی دستور اور مثالی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں، ذیل میں ان میں سے اسوۂ نبویؐ کی چند روشن و درخشاں کرنیں ملاحظہ فرمائیں:

☆ حبشہ سے عیسائیوں کا ایک وفد آیا تو رسول اکرم ﷺ نے انہیں مسجد میں ٹھہرایا اور خود ان کی ضیافت و خدمت کے فرائض انجام دیے، میزبانی کی۔ یہ مظاہرہ ان کے اس حسن سلوک کا بدلہ تھا، جو انہوں نے ہجرتِ حبشہ کے موقع پر مہاجرین مکہ کے ساتھ کیا تھا۔ چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں: **"انھم کانوا لاصحابنا مُکرمین فاحبّ ان اکرمھم بنفسی"**۔ ان لوگوں نے ہمارے ساتھیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا، میں پسند کرتا ہوں کہ میں ان کی بہترین مہمان نوازی کروں۔

☆ نصاریٰ کا وفد مدینۂ منورہ آیا تو آپؐ نے ان کی مہمانداری کی اور انہیں مسجد میں ٹھہرایا، بلکہ انہیں اپنے طریقہ پر عبادت کرنے کی بھی اجازت دی، جب عام مسلمانوں نے انہیں منع کرنا چاہا، تو آپؐ نے انہیں روک دیا۔ (۱۱۸)

☆ ثمامہ بن اثال جو بنو حنیفہ کے سردار تھے، مسلمانوں نے انہیں ایک جھڑپ میں گرفتار کرلیا اور مسجد نبویؐ میں ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا، رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے گزرے اور پوچھا، اے ثمامہ، کیا حال ہے؟ اس نے جواب میں کہا: **"عندی خیر یا محمد! ان تقتلنی تقتل ذا دم، وان تنعم تنعم علیٰ شاکر، وان کنت تُریدُ المال فسل منّی ماشئت"**۔

''اے محمدؐ، میرا خیال ٹھیک ہے، اگر تم مجھے قتل کروگے، تو ایک خونی کو قتل کروگے، اگر احسان کروگے، تو ایک شکر گزار پر احسان کروگے اور اگر آپؐ مال چاہتے ہو تو جتنا دل چاہے، مانگ لو۔

نبی اکرم ﷺ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا، دوسرے دن اس کا حال پوچھا تو اس نے یہی جواب دیا، تیسرے دن پوچھا تو اس نے یہی جواب دیا۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا: اسے رہا کردو۔ ثمامہ بن اثال نے مسجد کے قریب ایک جگہ جاکر غسل کیا اور آکر مسجد میں کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کرلیا۔ اور کہنے لگا: ''یامحمد واللّٰہ ما کان علی الارض وجہ ابغض علیّ من وجھک، فقد

اصبح وجهك احبّ الوُجُوه اليّ واللّٰه ما كان من دين ابغض اليّ من دينك فاصبح دينك احبّ الدّين اليّ، واللّٰه ما كان من بلد ابغض الي مّن بلدك فاصبح بلدك احبّ البلاد اليّ"۔(۱۱۹)

اے محمد ﷺ اللہ کی قسم، روئے زمین پر آپ سے زیادہ بغض مجھے کسی سے نہ تھا، مگر اب آپ سے زیادہ مجھے محبوب کوئی نہیں۔ آپؐ کے دین سے زیادہ دشمنی مجھے کسی دین سے نہیں تھی، لیکن اب آپؐ کے دین سے زیادہ محبت مجھے کسی دین سے نہیں ہے۔ آپؐ کے شہر سے زیادہ مجھے ناپسندیدہ شہر کوئی نہ تھا، لیکن اب آپؐ کے شہر سے زیادہ پسندیدہ شہر کوئی نہیں ہے۔

☆ ثمامہ بن اثالؓ کو جب صحابہؓ کرامؓ قیدی کی حیثیت سے مدینے لائے نبی اکرم ﷺ نے جب انہیں دیکھا تو گھر تشریف لائے اور فرمایا: گھر میں جو کھانا ہے، وہ ثمامہ کو بھیج دیا جائے اور پھر حکم دیا، میری اونٹنی کا دودھ صبح وشام اسے پلایا جائے۔ حراست کے دوران کھانا، پانی اور دودھ اسے باقاعدگی سے ملتا رہا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا انہیں آزاد کردو۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے اخلاق سے اس کے دل کو موہ لیا۔

☆ انہی ثمامہ بن اثالؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد قریش مکہ کو خوراک کی سپلائی بند کردی، اس لیے کہ اہل مکہ اسلام دشمن ہیں، تو اہل مکہ نے مجبور ہوکر رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ثمامہ کو لکھیں کہ وہ مکے میں غلہ آنے دے، تو نبی اکرم ﷺ نے ان کا غلہ جاری کروادیا۔(۱۰۹)

نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف اس پابندی کو ہٹوایا بلکہ اہل مکہ کے لیے بطور تحفہ کھجوریں بھجوائیں اور ان کی مالی مدد بھی فرمائی۔ آپؐ نے پانچ سو اشرفیاں مکہ کے سردار ابوسفیان کو بھیجیں کہ یہ غرباء کی امداد ہے۔(۱۲۰)

حالانکہ یہی وہ قریش مکہ تھے، جنہوں نے مسلسل تین سال تک آپ کا مقاطعہ کیا تھا اور اناج کا ایک دانہ تک بھی شعب ابی طالب کی گھاٹی میں نہیں آنے دیتے تھے، ہاشمی بچے بھوک سے تڑپتے تو یہ ظالم رحم کرنے کے بجائے ہنستے تھے، لیکن حضور اکرم ﷺ نے یہ سب باتیں بھول کر انہیں اناج پہنچانے کا حکم دیا۔

☆ مکے میں سخت قحط پڑا، یہاں تک کہ لوگوں نے مردار اور ہڈیاں کھانی شروع کردیں، ابوسفیان بن حرب ان دنوں اسلام کا سخت دشمن تھا، وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا،

اے محمد ﷺ! آپ تو لوگوں کو حسن سلوک اور قرابت داری کی تعلیم دیتے ہیں، دیکھیے آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے، خدا سے دعا کیجیے، نبی اکرم ﷺ نے فوراً دعا کی اور خوب بارش ہوئی۔ (۱۲۱)

☆ حضور اکرم ﷺ کا جذبۂ ترحم میدان جنگ میں بھی نظر آتا ہے۔ غزوۂ بدر کے میدان میں لڑائی شروع ہونے سے پہلے مشرکین کی فوج کے افراد اس حوض پر آئے، جو اسلامی لشکر کے قبضے میں تھا، مسلمانوں کی فوج نے یہ حوض اپنی ضرورت کے لیے بنایا تھا۔ صحابۂ کرامؓ نے مشرکین کو پانی دینے سے روکنا چاہا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا انہیں پانی سے نہ روکو، انہیں پانی پینے دو۔ (۱۲۲)

☆ آپؐ نے ہمسایہ کا حق ادا کرنے کی جو تلقین کی، اس میں بھی مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں رکھی اور آپؐ کی اس تعلیم پر صحابۂ کرامؓ برابر عمل کرتے رہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ ایک بکری ذبح کی، ان کے پڑوس میں ایک یہودی بھی رہتا تھا، انہوں نے گھر کے لوگوں سے دریافت کیا کہ تم نے یہودی ہمسایہ کو بھی بھیجا؟ کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ مجھے جبرائیلؑ ہمسایہ کے ساتھ نیکی کرنے کی اتنی تاکید کرتے تھے کہ میں سمجھا کہ وہ اسے پڑوسی کے ترکے کا حق دار بنا دیں گے۔ (۱۲۳)

☆ آپؐ یہودیوں سے لین دین کرنے میں تامل بھی نہ فرماتے تھے، گو وہ آپؐ سے سختی اور گستاخی سے پیش آتے رہے، زید بن سعنہ جب یہودی تھے تو ایک بار آپؐ نے ان سے قرض لیا، ابھی قرض کی واپسی کی میعاد بھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ تقاضے کے لیے آ گئے، آپؐ کی چادر پکڑ کر سخت سست کہا، حضرت عمرؓ موجود تھے، انہوں نے کہا او دشمن خدا، رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے، آنحضرت ﷺ نے مسکرا کر فرمایا، عمر، تم سے کچھ اور امید تھی، اسے سمجھانا چاہیے تھا کہ نرمی سے تقاضا کرے اور مجھ سے کہنا چاہیے تھا کہ میں قرض ادا کر دوں۔ اس کے بعد یہودی کا قرض ادا کر کے بیس صاع کھجور اور زیادہ دیں۔ (۱۲۴)

☆ یہودیوں کے ساتھ آپؐ کے حسن سلوک کی ایک تاریخی شہادت ایسی بھی موجود ہے، جب آپؐ خیبر کی فتح کے بعد صحابہؓ کے ساتھ مدینے کی طرف روانہ ہوئے تو ایک یہودی ربی (مذہبی پیشوا) نے آپؐ سے شکایت کی کہ کچھ مسلمانوں نے تورات کے چند نسخے بھی مال غنیمت میں اپنے پاس رکھ لیے ہیں، سرور کائنات ﷺ نے فوراً حکم دیا کہ تورات کے تمام نسخے واپس کیے جائیں۔ اس واقعے پر مشہور یہودی دانشور اسرائیل ولفنسن (Israil Wilphenson) لکھتا ہے کہ ''اس سے ظاہر ہوتا ہے

کہ رسول اکرم ﷺ کے دل میں یہودیوں کی مقدس کتاب کا کتنا احترام تھا، آپؐ کی رواداری اور ہمدردی کے باعث یہودی بے حد متاثر ہوئے۔"

☆ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، آپؐ غیر مسلموں کے ہدیے بھی قبول فرما لیتے تھے اور انہیں ہدایا بھیجتے تھے۔ چنانچہ ایلہ کے حاکم نے آپ کو ایک سفید خچر تحفہ کے طور پر بھیجا تو آپؐ نے اسے قبول کیا اور اس کی طرف ایک چادر بھجوائی اور امن کا پروانہ لکھوا دیا۔ (۱۲۵)

☆ آپؐ دشمنوں کے بچوں کے ساتھ بھی نہایت مشفقانہ سلوک کرتے اور مشرکین کے بچے بھی آپ کی شفقت کی وجہ سے آپؐ کے پاس آیا کرتے تھے، جب بھی جنگ ہوتی آپ خصوصی طور پر حکم دیتے کہ خبردار، کسی بچے کو مت مارنا، وہ بے گناہ ہیں۔ ایک جنگ میں چند بچے مارے گئے، آپ کو خبر ملی تو شدید رنج ہوا۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ وہ تو مشرکین کے بچے تھے، آپؐ نے فرمایا: خبردار بچوں کو قتل نہ کرنا۔"

☆ رسول اللہ ﷺ کے ہمسائے میں کوئی بھی ہوتا، آپؐ ان کے ساتھ بہترین پڑوسی ہونے کا ثبوت دیتے۔ مدینے میں یہودیوں کے ہاں اگر کوئی بچہ بھی بیمار ہوتا تو آپؐ اس کی عیادت کے لیے جایا کرتے تھے۔ (۱۲۶)

سن ۶ ھ میں آپؐ نے کوہِ سینا کے عیسائی راہبوں کو جو سینٹ کیتھرائن کی خانقاہ میں رہتے تھے۔ بڑی مراعات دیں، یہ رواداری کی ایک شاندار مثال ہے، اس چارٹر میں آپؐ نے اپنے پیروؤں کی طرف سے یہ ضمانت لی کہ عیسائیوں کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے گا، ان کے گرجوں اور ان کے پادریوں کی رہائش گاہوں کی پوری حفاظت کی جائے گی، ان پر غیر منصفانہ ٹیکس نہ لگائے جائیں گے، کوئی بشپ اپنے منصب سے معزول نہ کیا جائے گا، کوئی عیسائی اپنے مقدس مقامات کی زیارت کو جائے گا تو اس زیارت میں کوئی مزاحمت نہیں کی جائے گی۔ کسی گرجے کو منہدم کر کے مسجد یا کسی مسلمان کا گھر نہ بنایا جائے گا۔ ان پر مذہب کی تبدیلی کے لیے کوئی جبر اور زور نہ ڈالا جائے گا۔ (۱۲۷)

عیسائیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ اچھا سلوک کیا، حاتم طائی کے بیٹے عدی اپنے قبیلے کے سردار اور مذہباً عیسائی تھے، جس زمانے میں اسلامی فوجیں یمن گئیں، یہ بھاگ کر شام چلے گئے، ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینے آئیں۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں بڑی عزت کے ساتھ رخصت کیا، وہ اپنے بھائی کے پاس گئیں اور کہا کہ جس قدر جلد ہو سکے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں، وہ

پیغمبر ہوں یا بادشاہ، ہر حال میں ان کے پاس جانا مفید ہے۔ عدی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے ایسے متاثر ہوئے کہ اسلام قبول کر لیا۔ (۱۲۸)

☆ حدیبیہ کی صلح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے معاصر سلاطین کو اسلام کی دعوت دی اور ان کے پاس اپنے سفراء کے ذریعے خطوط بھجوائے، عیسائی فرماں رواؤں کو بھی خطوط بھیجے، ان میں تحریر فرمایا کہ ''اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پوجیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کو چھوڑ کر اپنا پروردگار نہ بنائے۔ (۱۲۹)

آپ ﷺ کی مکالمہ بین المذاہب کے لئے کوششیں اور غیر مسلموں کا اعتراف

مہاتما گاندھی فرماتے ہیں: میں نے پیغمبر اسلام اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے۔ میں نے اسلام کے متعلق جس قدر بھی مطالعہ کیا ہے اس سے مجھے پختہ یقین ہو گیا ہے کہ اسلام کی ترقی و اشاعت میں تلوار ہرگز کام نہیں کر رہی تھی، بلکہ اس کی تعلیم اور تجربہ تھا، جس نے اس عہد کی زندگی میں اسلام کی ضرورت کو تسلیم کرا لیا۔ سب سے زیادہ جس چیز نے اثر کیا وہ حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے۔ کس قدر سادگی ہے، اپنی ہستی کو خدا کی ہستی میں گم کر کے آپ نے کیسا عملی پروگرام دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اخلاق عامہ، ہمدردی، بنی نوع انسان، احباب و متعلقین کے ساتھ آپ کی گہری محبت و مودت، بے خوفی، خدا ترسی، بھروسا اور اپنا کامیاب مشن ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے اسلام کو دنیا کی نظروں میں وقیع بنا دیا اور پیغمبر اسلام کی خوبیوں اور کمالات و احسان کا ہر ایک قائل ہو گیا۔ صرف اور صرف یہی چیزیں تھیں نہ کہ شمشیر جس نے دنیا کی ہر مشکل پر عبور حاصل کر کے اسلام کا پرچم لہرا دیا۔

ایک غیر مسلم مفکر کی رائے: ایک دفعہ ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ جنوبی افریقہ کے یورپین لوگ جنوبی افریقہ میں اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کے خیال اور تصور سے بہت خوف زدہ ہیں۔ اسلام وہ مذہب ہے جس نے دنیا کو تہذیب اور علمی کلچر کا نصب العین سمجھایا، جس نے اندلس و اسپین میں یورپی تمدن کو سنوارا اور جس نے مراکش سے لے کر پیرس تک شمع علم روشن کر دی اور جس نے سارے جہاں کو اخوت اور بھائی چارہ کی تعلیم دی۔ کیا جنوبی افریقہ کے یورپین ایسے مذہب سے ڈرتے ہیں، ہاں ضرور ڈرتے ہوں گے، کیونکہ انہیں یہ خدشہ ہے کہ اگر اس ملک میں اسلام پھیل

تو وہاں سیاہ فام آبادی گوری قوموں سے مساوات کی طالب ہوگی اور سفید فام لوگوں کی شہنشاہیت ختم جائے گی، واقعی ان کا خوف بجا ہے، ان کو یقین ہے کہ اسلام رنگ و نسل کے امتیاز کو قطعی مٹادے گا اور جنوبی افریقہ میں یورپین آبادی کے مظالم ختم ہو جائیں گے اور ہر جگہ باہمی مساوات واخوت کا دور دورہ ہو جائے گا، میں نے خود دیکھا ہے کہ اگر زولو (حبشی) عیسائی ہو جائے تو تب بھی وہ عیسائیوں کے ساتھ مل جل نہیں رہ سکتا۔ نہ ان کے ساتھ کھا سکتا ہے، نہ عملی طور پر وہ مسیحی بھیڑوں کے گلے میں شامل ہوسکتا ہے۔ اس اچھوت پن کو عیسائیت دور نہیں کرسکتی، دور کرسکتا ہے تو صرف اسلام ہی دور کرسکتا ہے، کیونکہ جوں ہی ایک حبشی یا کوئی اور کم درجہ کا آدمی مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کی رفعت کہیں سے کہیں پہنچ جاتی وہ بڑے سے بڑے مسلمان کے ساتھ بیٹھ کر کھا سکتا ہے اور عبادت کر سکتا ہے، اس کا نمونہ عیسائیت اور یورپین شہنشائیت پیش کرنے سے قاصر ہے اور اسی لیے جنوبی افریقہ میں یورپین آبادی اسلام کی اشاعت وترقی سے لرزتی ہے مگر وہ کچھ نہیں کرسکتی۔ پیغمبر اسلام کی تعلیمات کا جلوہ تاریک براعظم (افریقہ) میں ضرور پہنچے گا۔ (۱۳۰)

مسٹر ایم ایس: (ہندو رہنما، کانگریسی لیڈر ممبر مرکزی اسمبلی): حضرت محمد ﷺ پیغمبر خدا نے عرب کے بادیہ نشینوں کے سامنے جو قدیم زمانہ کے رسم ورواج کی تاریکی میں بھٹکے ہوئے تھے حق و صداقت اور ہدایت کی روشنی پیش کی، آپ کی تعلیمات نے تمام قوم میں حیات تازہ پیدا کردی اور ان میں وہ مجاہد پیدا کیے جنھوں نے تمام دنیا میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی۔ عہد حاضر کی انسانی تہذیب اور ترقی میں مسلمانوں کی مساعی کا بیشتر حصہ ہے، اسلام کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ لغو توہمات اور بے کار رسوم کی بندشیں توڑنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے انسان کو ان بوسیدہ رسوم اور روایات کی زنجیروں سے آزاد کیا جنھوں نے انسانیت کو تباہ اور برباد کردیا تھا اور پھر اسلام نے انسان کو اس کے حقیقی خالق سے روشناس کرایا۔ (۱۳۱)

ٹیگور (ہندو مذہب کے بہت بڑے رہنما، شاعر) لکھتے ہیں: اسلام دنیا کے چند عظیم الشان مذاہب میں سے ایک ہے۔ ہندوستان میں جو قومیں آباد ہیں، ان کے مابین مصالحت کی واحد امید اسی چیز پر منحصر نہیں ہے کہ وہ ذہانت کے ساتھ اپنے قومی مفاد کو حاصل کریں بلکہ روحانی فیضان کے اس ابدی سرچشمہ پر منحصر ہے جو حضرت محمد ﷺ جیسے حاملین صداقت کی ناقابل فنا اور امر یسرتوں سے ابلتا ہے جو خدا کے محبوب اور انسانوں سے محبت والفت رکھنے والے اور اعلیٰ اخلاق وصفات کے

مالک تھے۔(۱۳۲)

سوامی نرائن لکھتے ہیں: گیتا میں جیسا کہا گیا ہے کہ خرابیاں حد سے متجاوز ہو جاتی ہیں تو ان کے دور کرنے کے لیے سدھارکوں کا جنم ہوا کرتا ہے۔ اسی اصول کے ماتحت حضرت محمد ﷺ صاحب کا جنم عرب میں ہوا اور انہوں نے اپنی زندگی کے ابتدائی حصہ کو نہایت ریاضت کے ساتھ ختم کر کے وہ قابلیت حاصل کر لی جو مروجہ خرابیوں کے دور کرنے کے لیے انہوں نے ہر مصیبت کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا اور بالآخر عرب کو ان سے پاک کر دیا اور باتوں کے سوا اگر ہم حضرت محمد ﷺ ایک اسی بات کو اپنے خیال میں رکھیں تو اسی ایک بات سے ان کا درجہ دنیا کے بڑے سے بڑے آدمیوں کی صف میں ان کا شمار کرانے کے لیے کافی تھا میں اسی لحاظ سے ان کی عزت کرتا ہوں۔(۱۳۳)

پروفیسر اندر جی (آریہ سماج کے رہنما، اخبار ارجن کے مالک) لکھتے ہیں: حضرت محمد ﷺ صاحب ایک ایشور داد کے زبردست پرچارک تھے۔ وہ سنسار کی سب سے بڑی پردل سچائی کے ایک پرھاؤ شالی وکیل تھے۔ منشیہ جاتی کے ایک بڑے حصہ پر ان کے اپکار کا بوجھ ہے، جس منشہ کے ہردے میں آتمک داد کے لیے تھوڑی بھی شردھا ہے جو کاہلی کے جیون کے اپکشاہ تچھوی جیون کو اوہک پرسن کرتا ہے وہ اسلام کے پروَرتک کی اسرتی میں بھگتی کے دو پھول چڑھائے بنا نہیں رہ سکتا۔(۱۳۴)

برنارڈ شا لکھتے ہیں: میں نے ہمیشہ محمد ﷺ کے مذہب کو بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا ہے، کیونکہ اس کے اندر حیرت انگیز زندگی پائی جاتی ہے۔ میرے نزدیک محمد ﷺ کا مذہب ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے اندر ہر زمانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ بلاشبہ دنیا کو چاہیے کہ میرے جیسے بڑے آدمیوں کی پیشن گوئیوں کی از حد قدر و منزلت کرے، چنانچہ محمد ﷺ کے مذہب کی نسبت میری پیشن گوئی یہ ہے کہ ایک دن یورپ اسی کو قبول کرے گا، اس وقت اس قبولیت کی ابتداء ہو گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر محمد ﷺ جیسا آدمی موجودہ دنیا کا ڈکٹیٹر بن جائے تو اسے موجودہ دنیا کی ان تمام الجھنوں کو سلجھاوے میں ایسی کامیابی ہو گی کہ دنیا کو ن امن و شادمانی کی اس قدر ضرورت ہے وہ امن و شادمانی دنیا کو حاصل ہو جائے گی۔ دور حاضر کا یورپ تو بہت ہی ترقی کر گیا ہے لیکن انیسویں صدی میں یورپ نے اتنی ترقی حاصل نہیں کی تھی، اس وقت بھی یورپ کے

اندر کارلائل اور گوئٹے اور گبن جیسے ایمان دار مفکرین موجود تھے، جنہوں نے محمدﷺ کے مذہب کی حقیقی قدر وقیمت پہچان لی تھی اور اس لیے ان کے زمانے سے اسلام کے ساتھ یورپ کے طرزعمل میں ایک خوشگوار تبدیلی شروع ہوگئی تھی، مگر دور حاضر کے یورپ کو محمدﷺ کے مذہب کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نسبت ہوتی جارہی ہے۔ بیسویں صدی تک یورپ کے قدم اس معاملہ میں اور زیادہ بڑھ جائیں گے اور یورپ اپنی الجھنوں کو سلجھانے کے باب میں محمدﷺ کے مذہب کی فائدہ رسانی کو محسوس کرے گا۔ (۱۳۵)

لارماٹائن: (فلسفی، پیغمبر، قانون دان) لکھتے ہیں: فاتح، نظریات کو تبدیل کرنے اور علاقوں پر ہی نہیں دلوں کو فتح کرنے والی عظیم شخصیات میں سے زیادہ عظیم یقیناً محمدﷺ کی شخصیت ہے۔ (۱۳۶)

تھامس کیلے لکھتے ہیں: تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ ایک تنہا آدمی نے بگڑے ہوئے قبیلوں اور بدوؤں کی تہذیب کو بدل کر تہذیب یافتہ بنا دیا اور وہ بھی صرف ۲۰ سال کی مختصر مدت میں۔ (۱۳۷)

ایڈورڈ گبن، سائمن اوکلے کی رائے ہے: محمدﷺ ایک انسان تھے، انہوں نے بکھری ہوئی انسانیت کو متحد کیا اور انہیں نیکی اور سچائی کے ساتھ رہنے کا سبق سکھایا۔ (۱۳۸)

مسز سروجنی نائڈو لکھتے ہیں: مذہب اسلام پہلا مذہب ہے جس نے جمہوریت کا سبق سکھایا، یہ سبق مساجد سے دن میں پانچ مرتبہ دہرایا جاتا ہے جس میں نوع انسانی کو فلاح کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اسلام سب کو بھائی چارے کا سبق دیتا ہے۔ (۱۳۹)

پروفیسر ہرگرونجی کی رائے ہے: انجمن اقوام حضور اکرمﷺ نے بنائی، یہ اسلام ہے جو پوری انسانیت کو متحد اور بھائی چارگی کا سبق دیتا ہے۔ دنیا کی اور کوئی قوم یا مذہب انسانیت کو وہ سبق نہ دے سکی جو تنہا حضرت محمد مصطفیﷺ نے دیا۔ (۱۴۰)

مکالمہ بین المذاہب وبین التہذیب میں رکاوٹ ''تہذیبی تصادم'' کا نظریہ ہے:

عصری کافرانہ تہذیبوں کی قیادت تہذیب مغرب کر رہی ہے۔ ''مغرب'' ایسی واحد تہذیب ہے جس کو کوئی خاص مذہب، جغرافیائی علاقے یا لوگوں کے نام کے بجائے ''قطب نما کی

سمت'' کے ذریعے پہچانا جاتا ہے۔ یہ پہچان اس تہذیب کو تاریخی، جغرافیائی اور ثقافتی زاویوں سے ماوراء کر دیتی ہے۔ تاریخی اعتبار سے مغربی تہذیب، یورپی تہذیب ہے۔ جدید عہد میں مغربی تہذیب یورپی امریکی یا شمالی اٹلانٹک تہذیب ہے(۱۴۱)۔ اس تہذیب کے اسلامی تہذیب سے تصادم کے درج ذیل اسباب ہیں:

۱- اسلامی اور مغربی تہذیب وتمدن زندگی کے دو متضاد نظریوں پر قائم ہیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتے (۱۴۲)۔ اسلام میں تنظیم (آرگنائزیشن) کے اصول ومبادی، جہاد، حریت کے تقاضے، معاشی نقطہ ہائے نظر اور سیاسی نظریئے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے بالکل جدا ہیں اور کسی دوسری قوم کے نظریہء ہائے اجتماع وتمدن کو ان سے کوئی نسبت نہیں لہٰذا مسلمانوں کی مطلوبہ آزادی وہی ہوسکتی ہے جو متذکرہ امور کی جامع ہو دوسری اقوام کے تنظیمی، اقتصادی اور سیاسی نظریئے اسلامی نظریہ حیات سے جوہری غیر مطابقت کی وجہ سے ہم آہنگی کے اہل نہیں (۱۴۳)۔

۲- مغرب ایک طاقتور تہذیب ہے اس کی طاقت کا انحصار دوسری تہذیبوں کی کمزوری اور زوال پر ہے جوں جوں مغرب اپنی اقدار کے فروغ اور اپنے مفادات کے تحفظ کی کوششیں کر رہا ہے توں توں غیر مغربی معاشرے عدم استحکام کا شکار ہو رہے ہیں جو تصادم کی بنیادی وجہ ہے(۱۴۴)۔

۳- مغربی تہذیب کا قدیم نظریۂ تاریخ یہ ہے کہ دنیا میں دو گروہ ہیں رومی Roman اور وحشی Barbarians۔ تاریخ کو اس طرح پیش کرنے کا پوشیدہ مقصد یہ ہے کہ ثابت کیا جائے کہ مغربی اقوام اور ان کا تمدن ہر اس چیز سے زیادہ ترقی یافتہ ہے جس کا اس وقت تک وجود ہو یا آئندہ کبھی دنیا میں وجود ہوسکتا ہے۔ اس سے اہل مغرب کے حصول اقتدار کی کوشش اور مادی طاقت کا اخلاقی جواز پیدا ہوتا ہے جو دوسری تہذیبوں سے حالت جنگ میں دوام کا باعث بنتا ہے(۱۴۵)۔

۴- مغرب اپنی آفاقیت کے دعوؤں کی وجہ سے دوسری تہذیبوں سے تصادم کی حالت میں ہے اس حوالے سے مغرب کا زیادہ سنگین تصادم اسلام اور چین کے ساتھ رونما ہوا ہے(۱۴۶)۔

۵- مغربی تہذیب کی اسلامی تہذیب سے معاندانہ روش بھی بین التہذیبی تصادم کا سبب ہے۔ یورپی ومغربی قائدین اور ارباب سیاست اپنے استعماری مقاصد کے حصول کے راستے میں اسلامی تہذیب کے ماسوا کسی دوسری تہذیب وثقافت کو رکاوٹ نہیں پاتے ہیں لارنس براؤن اس

ضمن میں رقمطراز ہے: ''ہمارے قائدین ہمیں یہودیت، زرجاپانیت اور سُرخ اشتراکیت سے ڈرایا کرتے تھے۔ لیکن ان سب موہوم خطرات کے برعکس جو چیز بالفعل ہمارے لئے خطرہ ہے وہ صرف اسلام ہے۔ اسلام ہی صحیح حقیقی معنی میں ہمارے لئے، ہمارے وجود کے لئے، ہماری تہذیب و ثقافت کے لئے حقیقی طور پر خطرہ ہے کیونکہ تنہا اسی کے اندر آگے بڑھنے، پھیلنے اور دوسری تہذیبوں اور ثقافتوں، دوسری اقوام اور ان کے عوام کے قلوب و اذہان کو مسخر کرنے اور انہیں اپنے زیر سایہ لانے اور اپنے اندر جذب کرنے کی بدرجہ اتم استعداد و صلاحیت پائی جاتی ہے'' (۱۴۷)۔

مذہب اسلام کے نزدیک تہذیبوں، اصولوں اور اجتماعی نظاموں کے باہم اختلافات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تہذیبیں آپس میں ٹکرائیں اور باہم تصادم ہوں اور نہ کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے ایمان و عقائد، تصورات و خیالات کو بزور طاقت نافذ کرنے کی کوشش کرے یہاں کلیہ بیان کر دیا گیا ہے کہ: ''لا اکراہ فی الدین'' کفر و اسلام کی تہذیبوں کے درمیان تعاون و رواداری کا دستور سورۃ الکافروں میں نہایت بلیغ انداز میں موجود ہے کہ: ''لَکُم دِینُکُم وَلِیَ دِین'' لہذا تہذیبوں کے درمیان اتفاق ڈائیلاگ اور تعاون ہی مہذب طریقہ ہے جبکہ باہمی تصادم و ٹکراؤ دہشت و استعماریت کی علامت ہے۔ اسی ذہنیت کے نتیجے میں مغرب و یورپ نئے دنیا کے امن کو خطرے میں ڈال کر جنگ و جدل کا جہنم دہکا رکھا ہے۔

سموئیل پی ہنٹنگٹن نے اسلامی خطرے سے نمٹنے اور اپنی تہذیب کی بالادستی کے لیے جو حکمت عملی تجویز کی ہے وہ پانچ نکات پر مشتمل ہے: ۱- امریکہ کی بالادستی: اس ضمن میں اس کا کہنا ہے کہ سیاسی، معاشی، فنی اور عسکری کنٹرول کا حصول ہی ہمارا اصل ہدف ہے۔ اس سلسلے میں مسلم دنیا اور چین پر خاص نظر رکھی جائے۔ ۲- دوسرے ممالک میں مداخلت: قبل اس کے کہ کوئی تمہارے لیے خطرہ بن سکے مداخلت کر کے اسے ختم کر دو۔ ۳- معاشی وسائل پر گرفت: تیل، توانائی، معدنیات اور رسل و رسائل کے ذرائع، راستے ہمارے اسٹریٹجک اثاثے ہیں اور ان پر ہمارا قبضہ ہونا چاہیے۔ ۴- میڈیا کی قوت کے ذریعے افکار و اذہان پر کنٹرول اور انہیں مخصوص تہذیبی سانچے میں ڈھالنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ ۵- امریکہ تن تنہا شاید ایک عرصے تک یہ کام نہ کر سکے، لہذا اس کو یورپ کے ساتھ سیاسی، معاشی اور فوجی اتحاد کرنا چاہیے۔ (۱۴۸) مغربی مفکر فریڈ ہالی ڈے کے بقول یہ سب مفروضے اس گروہ کے تصنیف کردہ ہیں جو مغرب میں رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ مسلم دنیا کو کمیونزم

کے زوال کے بعد ایک دشمن میں تبدیل کر دے۔(۱۴۹)

مغربی نظریہ وطن پرستی

اسلام کی رو سے رنگ، نسل اور شعوب وقبائل کا فرق اور جغرافیائی سرحدوں کی تمیز صرف باہمی تعارف کے لیے، پہچان کے لیے ہے اور انسانوں کے درمیان عزت اور تکریم کا معیار صرف اور صرف تقویٰ یعنی اعلیٰ ایمانی کردار ہے۔خون کا راستہ حیوانی سطح کا رشتہ ہے اور ایمانی یا نظریاتی رشتہ، انسانی سطح کا رشتہ ہے۔ایک عالمگیر برادری کا تصور ویسے تو انسانی فلاح کے لیے ہمیشہ ضروری رہا ہے لیکن اس ایٹمی دور میں اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے''۔اللہ تعالیٰ کی ہدایات کی روشنی میں ہمارے ہادیٔ برحق ﷺ نے ایک مکمل اسلامی معاشرے کی مثالی تشکیل فرمادی تھی، اللہ تعالیٰ کی ہدایت انسان کی کوشش میں کفالت کر دیتی ہے اور انسانیت سوز عذابوں کے تجربات سے انسان کو محفوظ کر دیتی ہے۔لیکن دور حاضر کی تہذیب نے جو نئے بت تراشے ہیں، وطن کی حیثیت اس میں سب سے ''بڑے خدا'' کی سی ہوگئی ہے۔ یہ تصور ''دھرتی ماتا'' ''مادر وطن'' یا ''مدر لینڈ'' جیسی اصطلاحات کے نتیجے میں سامنے آیا ہے۔ وطن سے محبت ایک الگ بات ہے اور وطن کی پرستش ایک جداگانہ مسلک ہے۔اسلام پر ایمان کے اعلان کے ہم وطن سے محبت برقرار رکھ سکتے ہیں، لیکن اس کی پرستش نہیں کر سکتے۔ اسلام نے دنیا کو انسانی سطح پر وحدت کا ایک لازوال تصور دیا ہے اور انسانوں کے درمیان حد فاصل صرف ایمان، عقیدے اور نظریہ زندگی کو بنایا ہے۔اس وقت دنیا میں انسانوں کے مابین حد فاصل قائم کرنے کے لیے مغرب کے نظریہ وطنی قومیت پر عمل ہو رہا ہے۔یعنی قوم وطن سے بنتی ہے۔''اس کے علاوہ قوم کے اندر مزید قومیتوں کے تشخص کے خیالات بھی فروغ پا رہے ہیں؟ بحیثیت مسلمان ہماری اجتماعی شناخت کی بنیاد ہمارا ایمانی شعور ہے۔(۱۵۰)

بین الاقوامی تنظیموں کی ناکامی:

امن بذریعہ تحفظ اجتماعی نظریہ، پہلی جنگ عظیم میں ہونے والی ہوش ربا ہلاکتوں کے پس منظر میں وجود میں آیا، جس کی بنیاد پر ۱۹۲۰ء میں جنیوا میں ''انجمن اقوام'' کی تشکیل عمل میں آئی، جس کا مقصد حقوق انسانی کی حفاظت، بین الاقوامی امن وسلامتی کو برقرار رکھنا اور دنیا کو جنگ کی لپیٹ میں آنے سے روکنا قرار دیا گیا۔لیکن واقعات نے ثابت کر دیا کہ انسانی حقوق کے اس منشور کی

حیثیت ایک خوش نما دستاویز سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ ۱۹۴۵ء میں اقوام متحدہ کی تشکیل ہوئی لیکن اس کے ایک ذیلی ادارے سلامتی کونسل میں ریاستوں کے قومی مفاد کو تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ ریاستیں دورانِ ملک کتنی ہی بنیادی حقوق کی خلاف ورزی اور اپنے شہریوں پر ظلم و زیادتی کا ارتکاب کریں اگر حقوق انسانی کمیشن اس کے خلاف آواز اٹھاتا ہے تو اسے داخلی معاملات میں مداخلت قرار دے کر مسترد کر دیا جاتا ہے۔ بھارت میں گجرات کے حالیہ واقعات کے تئیں، مرکزی حکومت کے موقف سے اس حقیقت کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

خلیجی جنگ کے بعد پابندیوں کے باعث عراق میں پانچ لاکھ بچوں کی ہلاکت، ۱۹۸۶ء میں لبنان میں اسرائیل کے ذریعے ۱۷ہزار پانچ سو شہریوں کی تباہی، ۱۹۹۶ء میں قانا نامی ایمبولینس پر میزائل سے امریکی حملہ، امریکہ کے اتحادی اسرائیل کی پروردہ لبنانی ملیشیاء کا مہاجر بستیوں میں قتل و غارت، لوٹ مار اور عصمت دری کا بازار گرم کرنا، اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شارون کے اشارے پر، صابرہ اور شتیلہ کے مہاجر کیمپوں میں ہزاروں بے گناہوں کا قتل عام۔ چیچنیا، کوسووا اور الجزائر میں لاکھوں مسلمانوں کی تہ تیغی اور برما کے روہنگیا مسلمانوں کا بیمانہ قتل اور اقوام متحدہ میں ظالموں کے خلاف کسی طرح کی قرارداد پاس نہ ہونا، اسی طرح حالیہ دنوں افغانستان اور عراق کے خلاف امریکہ کی غیر متوازن اور بلا جواز جنگ میں کتنی معصوم جانیں ہلاک ہوئیں اور کس قدر املاک برباد ہوئیں وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ (۱۵۱)

معاصر تصوراتِ راہ میں کی یہی وہ خامیاں ہیں جن کی وجہ سے دنیا میں قیامِ امن کا مسئلہ بڑا مشکل اور پیچیدہ ہو گیا ہے۔ دولت کی غیر عادلانہ تقسیم نے دنیا کو عیش و تنعم اور فقر و افلاس کی دو انتہاؤں پر کھڑا کر دیا ہے۔ گلوبلائزیشن کی لعنت نے عالمی بنک کی سالانہ رپورٹ کے مطابق، دولت مند طبقے کو زیادہ امیر بنا دیا ہے، جب کہ غریبوں کی تعداد دوگنی ہو گئی ہے۔ اس رپورٹ میں آئندہ غربت و افلاس کی شرح میں اضافے کا بھی خدشہ ظاہر کیا گیا ہے۔ (فضل الرحمٰن فریدی، ماہنامہ زندگی نو، جنوری ۲۰۰۱ء کالم اشارات) یہ کیسا تضاد ہے کہ جس امریکہ میں ائر ہوسٹس اپنے کپڑوں کی ڈرائی کلینگ پر چھ ہزار ڈالر خرچ کرتی ہے، وہیں ایسے کالے لوگوں کی بھی اکثریت پائی جاتی ہے جو گاربیج ٹن (کوڑے دان) میں سے غذاؤں کے ٹکڑے چنتے ہیں۔ آج دنیا میں تہذیب کے نام پر فحش لٹریچر، سینما، ٹی وی اور انٹرنیٹ کے ذریعے فحاشی و بدکاری کی اشاعت کے سبب جنسی جرائم

آسمان کو چھونے لگے ہیں۔۲۰۰۲ء کی رپورٹ ہے کہ صرف ہندوستان میں ایک سال کے اندر ۱۶ ہزار۴ سو زنا بالجبر، ۳۲ ہزار ۹ سو ۴۰ چھیڑ چھاڑ اور ۱۱ ہزار ۲۴ عورتوں کے ساتھ نازیبا حرکتوں کے واقعات پیش آئے۔عصر حاضر کا سب سے بڑا کرب یہ ہے کہ جب جنگ کے حوالے سے بات ہوتی ہے تو قصداً معاصر تہذیبوں کی جنگی بربریت اور خوں آشامی کو نظرانداز کردیا جاتا ہے اور جہاد اسلامی کی وحشت ناکی نمک مسالے کے ساتھ بیان کی جاتی ہے کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ فرانس میں جمہوری انقلاب کے دوران بیک وار بیسیوں سروں کی ناریلوں کی طرح اڑانے والی گلوٹین کے ذریعے ۶۶ لاکھ انسانوں کا صفایا کر دیا گیا۔ روس میں اشتراکی انقلاب کے دوران کروڑوں جانیں تلف ہوئیں۔پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں بالترتیب ۷۳ لاکھ ۳۸ ہزار اور ایک کروڑ ۶ لاکھ ۸۵ ہزار آدم زادوں کا آفتاب حیات گل ہوا۔اہنسا پرمودھرما کے پجاریوں کی مہابھارت بھی، ایک روایت کے مطابق ایک کروڑ انسانوں کے خون سے رنگین ہے۔(۱۵۲)

اسلام کسی بھی حال میں امریکہ کی طرح آپریشن بلیو اسٹار اور آپریشن ان ڈیورنگ فریڈم کا بگل نہیں بجادیتا، بلکہ اس کی تعلیم یہ ہے کہ دورانِ جنگ محاربین کے بوڑھوں، بچوں، اپاہجوں، مذہبی رہنماؤں اور عورتوں سے تعرض نہ کیا جائے۔ مقتولین کا مثلہ نہ کیا جائے اور آتش زنی، لوٹ مار، قتل عام، بم دھماکے، مفتوحین کے ساتھ وحشیانہ سلوک اور نسلی تطہیر سے پرہیز کیا جائے۔کیا اس طرح کے بلند جنگی اخلاقیات کسی اور تہذیب میں پائے جاتے ہیں۔(۱۵۳)

مکالمہ کے فروغ کیلئے تجاویز وسفارشات:

مکالمہ بین المذاہب کے لیے بین التہذیبی اور بین الثقافتی تقارب و ہم آہنگی کی بڑی اہمیت ہے تاکہ دنیا کے بڑے مذاہب آپس میں اتفاق' اتحاد' محبت اور پُرامن بقائے باہمی کے ساتھ زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں۔اور مزید یہ کہ آپس میں پائی جانے والی غلط فہمیاں بھی دور ہوسکیں۔

۱۔: ہم ہر ممکن طریقے سے، تحریر وتقریر اور جدید ذرائع ابلاغ سے غیر مسلم دنیا اور مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو آپ ﷺ کی شخصیت کے بے مثال حسن، آپ ﷺ کے خُلق عظیم کے جمال، آپ ﷺ کی رحمت ورافت، شفقت اور انسانیت کے عدیم المثال کردار سے آگاہ کریں،

بار بار کریں، بہ کثرت کریں، نئے نئے اسلوب سے کریں، خصوصاً ان کے سامنے کریں اور ان کی زبانوں میں کریں۔

۲۔: ہم اور وہ بھی جو داعیان حق ہیں اور وہ بھی جو عام مسلمان ہیں۔ اپنے برتاؤ، سلوک اور گفتگو کو جتنا حضور اکرم ﷺ کے اخلاق و کردار کا نمونہ بنا سکیں، بنائیں۔ بلکہ ہماری زندگیوں میں بھی لوگوں کو آپ کی تعلیمات اور سیرت و کردار کی کوئی نہ کوئی کرن اور جھلک نظر آسکے۔ ہم حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور پیغام کا نور پھیلائیں۔

۳۔: ضروری ہے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات، اخلاق کریمانہ اور اسوۂ حسنہ کو پیش کرنے کا ایسا اسلوب اختیار کریں کہ اس سے فساد کی جڑ خود بخود کٹ جائے۔

۴۔ مذاہب عالم کے درمیان اتحاد کے لیے ضروری ہے کہ مذاہب اور بانیان مذاہب کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے سے گریز کیا جائے ان کے ساتھ احترام کا رویہ اختیار کیا جائے۔

۵۔ سب سے اہم دنیا میں امن کا قیام ہے اور امن بذریعہ طاقت کا فلسفہ ناکام ہو چکا ہے۔ ضروری ہے کہ عیسائیت، یہودیت، ہندومت، بدھ مت اور اسلام میں مکالمہ کرایا جائے۔

خلاصہ کلام

اسلامی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ قرآنی تعلیم ﴿لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ﴾ مت گالی دو بتوں کو جن کی لوگ عبادت کرتے ہیں۔ کو اس کے پیروکاروں نے ہمیشہ یاد رکھا۔ دوسرے مذاہب کی بے حرمتی نہیں کی بلکہ ہمیشہ دوسرے مذاہب کیساتھ حسن سلوک کو مدنظر رکھا۔

تہذیبوں کے تصادم نے خون ریزی اور نفرتوں کو جنم دیا ہے جب کہ مذہب انسانیت کی حرمت اور اس کے لئے محبتوں کا پیغام پیش کرتا ہے اپنی تہذیب کو بزور بازو دوسروں پر مسلط اور غالب کرنے کے جذبے نے آج انسانوں کے درمیان نفرتوں کی جو آگ بھڑکا رکھی ہے اسے بجھانے کا واحد ذریعہ مذہب کی طرف رجوع ہے۔۔۔ اس وقت دنیا میں چار بڑے مذاہب (یہودیت، عیسائیت، ہندومت اور اسلام) کے علاوہ کئی دوسرے مذاہب موجود ہیں۔ ہر مذہب کا اپنا علم کلام ہے اپنا طریق عبادت اور انسانیت کی فلاح و خدمت کا اپنا تصور ہے۔

تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ ۱۹۹۳ء میں ھننگٹن نے پیش کیا جس میں اس نے بنیادی طور پر تصادم، اسلام اور اہل مغرب کے درمیان قرار دیا تھا، اور اسلام کو ایک ایسا مذہب ثابت کرنے کی کوشش کی جس کی سرحدیں خونخوار ہیں جس کی وجہ سے سب سے زیادہ جھگڑے رونما ہوتے ہیں۔ اس نظریے کے تحت اس نے یہ بھی کہا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، اس لئے اب بھی اپنے پیروکاروں کو جہاد کی تعلیم دیتا ہے اور جہاد ایک ایسا نظریہ ہے جس کے تحت ہر امریکی اور ہر کافر قابلِ قتل ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

دیارِ مغرب کے رہنے والو، خدا کی بستی دکاں نہیں ہے کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، نا پائیدار ہوگا

”تہذیبوں کی کشمکش میں مختلف تہذیبوں اور مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان میل جول کے راستے کھل چکے ہیں، باہمی مکالمہ پر قدغن لگانا ناممکن ہو چکا ہے، کوئی سیاسی، سماجی، جغرافیائی پابندی دو اشخاص کو تبادلہ خیال سے نہیں روک سکتی۔“ قرآن حکیم نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے اس ارشاد کے ساتھ اہلِ کتاب کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہونے کی دعوت دی۔

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ﴾

”(اے پیغمبر) اہل کتاب کو کہہ دیجیے کہ آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں“

قرآن حکیم کی اس پیشکش کی اہمیت دورِ جدید میں کھل کر سامنے آگئی ہے اور اہل کتاب بھی اس طرف مائل نظر آتے ہیں۔ آج مختلف مذاہب کے لوگ بین المذاہب مکالمہ اور بین التہذیب مکالمہ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے تمام مذاہب کے لوگوں کو اس بات کی دعوت دے رہے ہیں۔

جس طرح آنحضورﷺ نے ایک ایک ملک میں اپنے ترجمان اور نمائندے بھیجے تھے، آج سوا ارب سے زائد مسلمان دنیا کے گوشے گوشے میں آپﷺ کے ترجمان اور نمائندے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں گویا آپﷺ کا خط ہے، جسے بھی اپنی اس پوزیشن اور ذمے داری کا احساس ہو، اسے تڑپ کر کھڑا ہو جانا چاہیے، سلیقے سے، حکمت سے، موعظۂ حسنہ سے، انسانوں کو حضور اکرمﷺ سے قریب لانا چاہیے۔ جتنا زور ہم آپﷺ کا دین پیش کرنے پر لگاتے ہیں، اتنا ہی اہتمام ہمیں آپﷺ کی ذات، شخصیت، کردار، اسوۂ حسنہ اور حیات طیبہ کو پیش کرنے پر لگانا چاہیے۔ جو سراج

منیرﷺ سے جتنا قریب آئے گا، اس کا دل کھلا ہوگا، وہ شمع رسالتﷺ کی روشنی اور حرارت میں سے حصہ پائے گا۔ جتنے لوگ حضور اکرمﷺ کی رسالت پر ایمان لاتے جائیں گے، آپﷺ کے آستانے سے وابستہ ہوتے جائیں گے، اتنا ہی تہذیبی جنگ میں حضور اکرمﷺ کے پیغام کی فتح کے امکانات بڑھتے جائیں گے۔

یہ ایک قرض ہے، جو ہم سب پر ہے اور ہم میں سے ہر ایک کو اسے ادا کرنے اور اپنا حصہ ڈالنے کے لیے آگے بڑھنا چاہیے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

حواشی وحوالہ جات

۱۔ اسلامی تمدن وتاریخ / پروفیسر عثمان غنی / لاہور / الکی بک سینٹر / ص ۱۱۔

۲۔ اسلامی تمدن وتاریخ / پروفیسر عثمان غنی / لاہور / الکی بک سینٹر / ص ۱۱

۳۔ پروفیسر چوہدری غلام رسول چیمہ / اسلام کا عمرانی نظام / لاہور / علم وعرفان پبلیشرز / ۲۰۰۵ء / ص ۹۶   ۴۔ پارہ ۷ / آیت ۷۸۔

۵۔ اسلامیات / علی اسط صدیقی / کراچی / طاہر سنز / ۱۹۹۴ء / ص ۵۷۔

۶۔ اسلامی نظریہ حیات / پروفیسر خورشید احمد / کراچی / شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ کراچی / ۱۹۶۸ء / ص ۳۹)۔

۷۔ فرید وجدی / تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ / قاہرہ / ص ۱۴

۸۔ دین فطرت اسلام ہی کیوں؟ / نور الحق صدیقی / لاہور / طاہر سنز / ص ۲۲۔

۹۔۰۷۔ علی اوسط صدیقی / اسلامیات / کراچی / طاہر سنز / ۱۹۹۴ء / ص ۱۹

(۱۰) دیکھیے سورۃ الممتحنہ: ۸، سورۃ الانعام: ۱۰۸، سورۃ آل عمران: ۶۴ وغیرہ۔

(۱۱) تفسیر جلالین ودیگر تفاسیر تحت سورۃ الکافرون۔

(۱۲) سورہ الکافرون / آیت نمبر ۶

(۱۳) ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن: ۶ / ۵۰۱، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۱۹۸۱ء۔

(۱۴) تفصیل کیلئے دیکھیے (تحت سورۃ البقرۃ - آیت نمبر ۲۰۸): (الف) امام سیوطی، الدر المنثور: ۱ / ۴۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت - لبنان ۱۴۲۱ھ۔ (ب) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۳ / ۲۴، دار الکتب مصر ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء۔ (ج) علامہ آلوسی، روح المعانی: ۲ / ۹۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔

۱۵۔ صحیح مسلم؛ (مولانا محمد تقی امینی / اسلام اور دور جدید کے مسائل / کراچی / قدیمی کتب خانہ / ص ۳۳۴۔

۱۶۔ ابن ہشام / ج ۱ / ص ۲۰۴۔۲۰۵۔

۱۷۔سورہ آل عمران/آیت نمبر ۱۱۰۔

۱۸۔(ملاحظہ فرمایئے:

(The Dialogue of Cultures and Civilization/Diplomat/Vol2/Feb 1997)

۱۹۔ڈاکٹر انیس احمد/اسلام اور مغرب/لاہور/ترجمان القرآن/جلد ۱۲۶/ جولائی ۱۹۹۹ء/ص ۴۳۔۴۴)۔

(۲۰)(محمد انور/یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر،کراچی،مکتبہ ارسلان،۲۰۰۳ء،ص ۶۵)۔

(۲۱) (Samuel Huntingtion, Clash of Civilization and the Remaking of world order Touchstone, New York, 1997)۔

(۲۲) (Richard Nixon, Victory without war, Sidgwick and Jackson, London, 1988)۔

(۲۳)(اقبال،ڈاکٹر محمد/کلیات اقبال،ص ۱۴۱)۔

(۲۴)(خورشید احمد،پروفیسر/تہذیبوں کا تصادم،حقیقت یا واہمہ؟(مطبوعہ مضمون)ترجمان القرآن،لاہور،مئی ۲۰۰۶ء، ص ۱۱،۱۲)۔

(۲۵)-The Clash of Civilization and the Remaking of the World Order نیویارک، Simon Schuster ۱۹۹۶ء،ص ۲۱۷،۲۱۸)۔

(۲۶) (Samuel P.Hunten Gton/ The Clashof Civilization and the Remaking of World Order, London 1997, P.187)۔

(۲۷)(بحوالہ: پرواز رحمانی/مغربی تہذیب کا چیلنج اور اسلام،لاہور،منشورات،۲۰۰۶ء،ص ۸۳)۔

(۲۸)(الذاریات/۴۹۔۵۰)۔

(۲۹)(الانفال/۶۱۔۶۲)۔

(۳۰)(البقرہ/۱۴۳)۔

(۳۱)(دیکھئے آیت کے ذیل میں:ابن جریر الطبری/تفسیر الطبری،بیروت،داراحیاء التراث لعربی،

۳۲۔امام فخر الرازی/التفسیر الکبیر،تہران،مکتبۃ العلوم الاسلامی۔محمد بن احمد الانصاری،القرطبی/الجامع لاحکام القرآن، بیروت،دارالمعرفہ،علامہ آلوسی/روح المعانی،بیروت،دارالکتب العلمیہ،۱۴۱۵ھ،محمد بن علی الشوکانی/فتح القدیر،مصطفی البابی الحلبی ۱۳۴۹ھ/ڈاکٹر وہبہ الزحیلی/التفسیر المنیر فی العقیدہ والشرع والمنہج،بیروت،دارالمعرفہ،قاضی ثناء اللہ پانی پتی/التفسیر المظہری،کوئٹہ،مکتبہ حبیبیہ۔محمد شفیع،مفتی/معارف القرآن،کراچی،ادارۃ المعارف۔مودودی،سید ابوالاعلیٰ/سیرت سرور عالمؐ،لاہور،ادارہ ترجمان القرآن،۱۹۷۸ء،۲/۴۵۹)۔

(۳۳)مودودی،سید ابوالاعلیٰ/سیرت سرور عالمؐ ۲/۴۶۰۔

(۳۴)(العنکبوت/۴۶)۔

(۳۵) (آل عمران/۱۱۳)۔

(۳۶) (آل عمران/۶۴)۔

(۳۷) (امام فخر الرازی/التفسیر الکبیر، تہران، مکتبۃ العلوم الاسلامی، ۷/۹۰)۔

(۳۸) ابن جریر الطبری/تفسیر الطبری، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ، ۳/۳۵۲)۔

(۳۹) آلوسی، شہاب الدین/روح المعانی، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ، ۲/۱۸۶)۔

(۴۰) جلال الدین السیوطی/تفسیر الدر المنثور، بیروت، دارالفکر ۲/۲۳۵)۔

(۴۱) محمد بن علی الشوکانی/فتح القدیر، مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۳۴۹ھ/۱/۳۱۷)۔

(۴۲) قاضی ثناء اللہ پانی پتی/التفسیر المظہری، کوئٹہ، مکتبہ حبیبیہ، ۲/۶۳)۔

(۴۳) ڈاکٹر وہبہ الزحیلی/التفسیر المنیر فی العقیدہ والشرع والمنہج، بیروت، دارالمعرفہ، ۲/۲۷۶)۔

(۴۴) محمد شفیع، مفتی/معارف القرآن، کراچی، ادارۃ المعارف، ۲/۸۷)۔

(۴۵) مودودی سید ابوالاعلیٰ/تفہیم القرآن، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۸۳ء، ۲/۲۶۲)۔

(۴۶) (محمد بن علی الشوکانی/فتح القدیر ۱/۳۱۷)۔

(۴۷) (وہبہ الزحیلی/التفسیر المنیر ۲/۲۸۶)۔

(۴۸) (ایضاً ۲/۲۷۶)۔

(۴۹) (محمد شفیع، مفتی/معارف القرآن ۲/۸۷)۔

(۵۰) (وہبہ الزحیلی/التفسیر المنیر ۲/۲۷۶)۔

(۵۱) (علامہ اقبال/شکوہ جواب شکوہ)

(۵۲) (سعود عالم قاسمی/مغرب اور اسلام۔ مفاہمت کے امکانات، بحوالہ: پرواز رحمانی، مغربی تہذیب کا چیلنج اور اسلام، ص ۱۹۱

www.islamonline.net Islam on Line Views Section Siraj ul Islam (53) -Mufti, Ph. D. Dialogue not clash Retrived, Oct, 13, 2005

www.islamonline.net Islam on Line Views Section Siraj ul Islam (54) -Mufti, Ph. D. Dialogue not clash

(55) روزنامہ جنگ ۱۵/اکتوبر ۲۰۰۳ء۔

(56) روزنامہ جنگ ۱۵/اکتوبر ۲۰۰۳ء۔

(۵۷) آل عمران ۳:۶۴۔

(۵۸) ۔الجصاص، ابی بکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، لاہور، سہیل اکیڈمی، ۱۹۹۱ء، ۲:۱۵۔

(۵۹) الانعام، ۶:۱۵۱۔

(۶۰) الاسراء، ۱۷:۱۰۱۔

(۶۱) سنن ترمذی، ابواب التفسیر، باب التفسیر من سورۃ بنی اسرائیل۔

Crose Gerorge, Foundation for dialogue between Judiam, Chiritanity and Islam, p. 140(62)

۶۳۔لطیب زین العابدین: ''العالم الاسلامی ونظریہ صدام الحضارات'' الجلۃ العولمۃ والعالم الاسلامی فی محاضرات الموسم الثقافی الثالث عشر، الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیہ اسلام آباد، اپریل ۲۰۰۰ء ص:۱۰۰۔۱۰۱۔

۶۴۔حوالہ ایضاً،ص:۱۰۰۔

۶۵۔حوالہ ایضاً، بنفس الصفحہ۔

۶۶۔حوالہ ایضاً،ص:۹۹۔

۶۷۔حوالہ ایضاً،ص:۱۰۲۔۱۰۳۔

(۶۸) منصور علی خان، تقدیر امم، ص ۵۶۔

(۶۹) منصور علی خان، تقدیر امم، ص ۵۷۔

(۷۰) پروفیسر حافظ محمد سعید، تفسیر سورۃ توبہ، ص ۲۶، ۲۷، دارالاندلس، لاہور۔

(۷۱)۔حالات، تعلیمات، سیاسی افکار، محولہ بالا، ص ۹۴۔

۷۲۔مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے، محولہ بالا، ص ۲۳۱۔

۷۳۔ایضاً، ص ۲۱۴۔

۷۴۔اسلام اور رواداری، ندوی، رئیس احمد جعفری، مولانا لاہور، ادارہ ثقافت اسلامی، ۱۹۵۵ء، ص ۵۵۔

۷۵۔پیغمبر عالم ﷺ، عبدالصمد رحمانی، مولانا، دہلی، دینی بک ڈپو، ۱۹۶۱ء، ص ۲۱۷۔

۷۶۔حیات سرور کائنات ﷺ، ملا واحدی دہلوی، کراچی، دفتر رسالہ نظام المشائخ، ۱۹۵۳ء، ص ۲۰۲، ج ۱۔

۷۷۔نور البصر فی سیرت خیر البشر، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، لاہور، سنی پبلیکیشنز، ۱۹۸۰ء، ص ۱۲۲۔

۷۸۔خدا کی تاریخ، کیرن آرم سٹرانگ، (مترجم یاسر جواد) لاہور، نگارشات، ۲۰۰۴ء، ص ۱۳۶۔

(۷۹)(الممتحنہ / ۸،۹)۔

(۸۰)(ابن جریر طبری/ جامع البیان، قاہرہ، مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۷۳ھ ۲۲۔۲۶)۔

۸۱۔(النساء/ ۳۶)۔

۸۲۔(قرطبی/ الجامع لاحکام القرآن، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ھ، ۵/۱۸۴)۔

۸۳۔(ابن کثیر/ تفسیر القرآن العظیم، بیروت، داراحیاء التراث العربی۔۱۴۰۵ھ، ۲/۳۴)۔ ۸۴۔(النساء/ ۸۶)۔

۸۵۔(بخاری، محمد بن اسماعیل/ الادب المفرد، المکتبۃ الاثریہ، ص ۳۸۴)۔

۸۶۔(البقرہ/ ۲۷۲)۔

۸۷۔(ابن کثیر/تفسیر القرآن العظیم ج۱/۳۲۳)۔
۸۸۔(قرطبی/ الجامع لاحکام القرآن، ج ۳/ ۲۳۷)۔
۸۹۔(ابن جریر/ جامع البیان، ۵/ ۵۸۸)۔
۹۰۔(ابن جریر/ ۵/ ۵۸۷)۔
۹۱۔(ابن کثیر ۱/ ۳۲۴)۔
۹۲۔(ایضاً)۔
۹۳۔(قرطبی ۲/ ۳۳۷۔ بحوالہ: جلال الدین عمری/ غیر مسلموں سے تعلقات اور اسلامی تعلیمات۔ ترجمان القرآن لاہور، فروری ۱۹۹۵ء، ص ۴۰۔۴۱)۔
۹۴۔(الدھر/ ۱۰۸)۔
۹۵۔(قرطبی ۹/ ۱۲۹)۔
۹۶۔(ایضاً)۔
۹۷۔(جصاص رازی/ الجامع لاحکام القرآن ۳/ ۵۲۹)۔
۹۹۔(ابن ہشام/ السیرۃ النبویۃ، بیروت، ۲۸۸)۔
۱۰۰۔(زمخشری، محمود بن عمر/ الکشاف، مطبوعہ قاہرہ، ۴/ ۴۹۱۔ بحوالہ جلال الدین عمری ایضاً ص ۴۴۔۴۵)۔
۱۰۱۔(یوسف القرضاوی/ مشکلات الفقر وکیف عالجھا الاسلام، مترجم نصیر احمد ملی، لاہور، مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۰۴ء، ص ۱۷۶)۔
۱۰۲(یوسف القرضاوی/ الحلال والحرام فی الاسلام۔ ص ۳۲۴)
۱۰۳۔(یوسف القرضاوی/ الحلال والحرام فی الاسلام، ص ۵۲۴)۔
۱۰۴۔(مولانا اشرف علی تھانوی/ بیان القرآن، کراچی، تاج کمپنی، ص ۴۷)۔
۱۰۵۔(صحیح البخاری، کتاب المرضیٰ، باب ۱۱، مشرک کی عیادت کا بیان)۔
۱۰۶۔(صحیح البخاری، ۵۶۵۷، باب المرضیٰ۔ نیز دیکھیے صحیح البخاری، کتاب الجنائز)۔
۱۰۷۔(ابن حجر عسقلانی/ فتح الباری ۳/ ۲۳۱۔ ۱۰/ ۱۱۹)۔
۱۰۸۔(المائدہ: ۲)۔
۱۰۹۔(الممتحنۃ/ ۸، ۹)۔
۱۱۰۔(محمد یوسف القرضاوی/ الحلال والحرام فی الاسلام، مترجم شمس الدین پیرزادہ، لاہور، مکتبہ اسلامیہ، ص ۸۶۴)۔
۱۱۱۔(ایضاً ص ۹۶۴)۔
۱۱۲۔(مقصود الحسن فیضی/ اہل کفر کے ساتھ تعلقات، ص ۱۹۱)۔

۱۱۳۔(ابن ہشام/ السیرۃ النبویہ،۲/۱۱۲، مستدرک حاکم،۳/۸، رقم الحدیث:۴۳۳۱، البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر، ۳/۱۸۹)۔
۱۱۴۔(یوسف القرضاوی/ الحلال والحرام فی الاسلام،ص۲۷۴)۔
۱۱۵۔(احمد بن حنبل/ المسند ،۱/۹۲، ۱۴۵)۔
۱۱۶۔(احمد بن حنبل/ المسند ۶/۴۰۴، جامع ترمذی، کتاب السیر ، باب ماجاء فی قبول ھدایا المشرکین، ابن سعد /الطبقات الکبریٰ ۸/۹۵، بیروت)۔
۱۱۷۔(بخاری، صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب من قام للجنازۃ یھودی، رقم الحدیث: ۱۳۱۲۔۱۱ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب القیام للجنازۃ، رقم الحدیث:۱۶۱)۔
۱۱۸۔(الممتحنہ/۸)۔
۱۱۹۔(ابن کثیر/ البدایۃ والنھایۃ،۳/۱۰۵)۔
۱۲۰۔(بخاری/ الجامع الصحیح ،کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفۃ وحدیث ثمامۃ بن اثال)۔
۱۲۱۔(بخاری/ الجامع الصحیح ،کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفہ)۔
۱۲۲۔(محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ خطبات بہاولپور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، ص ۲۸۵)۔
۱۲۳۔ (بخاری/ صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء باب دعاء النبی ﷺ اجعلھا علیھم ۔(بحوالہ: شفیق الرحمٰن شاہین/ رسول رحمتؐ اور غیر مسلم، لاہور، المکتبۃ السّلفیہ، ۲۰۰۷۔ بہ اختصار ص ۶۶۔۶۹)۔
۱۲۴۔(ابن ہشام/ السیرۃ النبویہ ۲/۱۶، البدایۃ والنھایۃ/ مطبوعہ بیروت،۲/۳۴۶)۔
۱۲۵۔(شبلی نعمانی/ سیرۃ النبی ج ۶ ص ۲۸۲)۔
۱۲۶۔(شبلی نعمانی/ سیرۃ النبی ۶/۲۸۶)۔
۱۲۷۔(بخاری، الجامع الصحیح ،کتاب الزکوۃ باب خرص التمر)۔
۱۲۸۔(ایضاً بحوالہ شفیق الرحمٰن شاہین/ رسول رحمتؐ اور غیر مسلم، ص ۷۰۔۷۲)۔
۱۲۹۔(صباح الدین عبدالرحمٰن/ اسلام میں مذہبی رواداری، ص ۷۱)۔
۱۳۰۔(ابن ہشام (اسلام عدی بن حاتم) شبلی نعمانی / سیرۃ النبی ۲/۴۱۔۴۲)۔
۱۳۱۔(ایضاً ص ۷۴)
۱۳۲۔ Mahatma Gandhi, Speaking on the Charcter of Muhammad (PBUH) Says in young india.
۱۳۳۔ رسالہ پیشوا، ۱۳۵۷ھ رسول نمبر۔
۱۳۴۔ رسالہ پیشوا ۱۳۵۳ھ رسول نمبر۔
۱۳۵۔ حضرت محمد ﷺ کا پوتر جیون، سوامی نرائن، رسالہ پیشوا، ۱۳۵۴ھ رسول نمبر۔

۱۳۶-پیغمبر پروفیسر اندراجی، رسالہ مولوی، ۱۳۵۰ھ رسول نمبر۔

۱۳۷-George Bernard Shaw, The Geniune Islam, Suigapore, 1963. Vol-1 No-8

۱۳۸-Lamartine, History De La Turquie, 1954, Paris. Vol-ii, PP276-277

۱۳۹-Thomas Calye, in his Heroes and Heroworship.

۱۴۰-Edward Gibbon and Simon okely, History of the Saracen Empires, 1870, London, P54.

۱۴۱-Sarojni Naidu, Ideals of Islam, Vide Spooches & writing 1981, Madras, P.169.

۱۴۲-Prof. Hurgronje, The realization of the Idea of the League of Nations.

۱۴۳۔الطیب زین العابدین: ''العالم الاسلامی و نظریہ صدام الحضارات'' المجلۃ العولمۃ والعالم الاسلامی محاضرات الموسم الثقافی الثالث عشر، الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ اسلام آباد، اپریل ۲۰۰۰ء، ص: ۳۸-۳۹

۱۴۴۔حیدر زمان صدیقی: اسلامی نظریہ اجتماع (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن ۱۹۸۹ء) ص: ۱۷۷۔ (i) Muhammad Asad: Islam at ehe cross roads [Lahore: Muhammad Ashraf,1947]P:83-84۔(ii) ابوالحسن علی ندوی، سید: مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش (کراچی: مجلس نشریات اسلام، تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۶ء)

۱۴۵۔حیدر زمان صدیقی: اسلامی نظریہ اجتماع (لاہور؛ ادارہ ترجمان القرآن ۱۹۸۹ء) ص: ۱۷۷۔

۱۴۶۔تہذیبوں کا تصادم، ص: ۱۷۔

۱۴۷۔ (i) Islam at the cross Roads: P-95، (ii) اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص: ۲۲۳۔

۱۴۸۔تہذیبوں کا تصادم۔ص: ۱۳۔

۱۴۹۔(i) التبشیر والاستعمار۔ص: ۱۴۸۔(ii) علامہ جلال العالم: اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپی سازشیں (مترجم: قاضی ابوسلیمان محمد کفایت اللہ) لاہور؛ دارالبلاغ ص: ۱۰۵۔۱۰۶۔

۱۵۰-تہذیبوں کا تصادم، سموئیل پی ہن ٹنگٹن، ۱۹۹۶ء، ص ۲۸۔

۱۵۱-فریڈ ہالی ڈے، نیویارک، ۱۹۹۵ء، ص ۶،

۱۵۲-تاریخ اخلاق یورپ، ترجمہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی، صفحہ ۲۹۹-۲۶۷،

۱۵۳-سید ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام۔